Al-Behishat Research Archive
ISSN Online: 3006-5224
ISSN Print: 3006-5216

Publisher: Al-Behishat Education & Research Institute
Journal Frequency: **BI-**Annual

THE URDU NOVEL: BEGINNING AND EVOLUTION

اردو ناول اور اس کا آغاز و ارتقا

Dr Abdul Sattar Malik

Lecturer Urdu,AIOU,Islamabad at-
abdul.sattar@aiou.edu.pk

Al-Behishat Research Archive
https://al-behishat.rjmss.com/index.php/20/about

Abstract

The Urdu novel is often seen as a reflection of western literary traditions. Prior to the emergence of the novel, narrative forms existed in Urdu literature in form of Dastaan. However, the arrival of the British in the subcontinent brought significant social changes that transformed Indian society. These changes fostered a realistic perspective on life, prompting writers to shift from transcendental and imaginative styles to a focus on realism. The novel, as a genre, arose during the industrial age, a time when scientific advancements challenged many traditional beliefs and superstitions. This era demanded a new literary form that resonated with contemporary realities, moving away from tales populated by supernatural characters, which modern realists found difficult to accept. The aftermath of the 1857 revolution saw the rise of the Sir Syed movement, which deeply influenced Urdu literature. Writers began to abandon the imaginary realm, embracing real-world themes in their works. The Urdu novel thus emerged as a sophisticated form within modern prose, prioritizing actual events and societal issues over fictional narratives. As a result, the subject matter of the novel became as expansive as life itself, encompassing history, society, ethics, economy, politics, psychology, and science. This breadth allows the novelist to explore various aspects of human existence while adhering to the technical requirements of the genre. This article provides a concise yet comprehensive overview of the compositional elements of the Urdu novel, its origins, evolution, and the thematic developments across different periods.

Keywords: Periods of the Urdu novel, effects of Partition on the Urdu novel, the Fall of East Pakistan and its impact, modern perspectives on the novel, historical and detective fiction.

ناول اور اس کے اجزائے ترکیبی

ناول انگریزی زبان کا لفظ ہے جو لاطینی زبان کے لفظ NOVELLA سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے نئی چیز۔ انگریزی زبان میں اس صنف کو ناول کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ یہ پرانے قصوں یا داستانوں کے مقابلے میں نئی چیز تھی۔

کہانی سننے سنانے کا عمل از سے انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔ قصہ اور کہانی کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی انسانی تاریخ۔ سماجی ترقی کے ساتھ انسان نے وقت گزاری اور دل و دماغ کی تسکین کے لیے داستان کو ذریعہ بنایا۔ کہانی نثر میں کہی اور لکھی گئی اور نظم میں بھی۔

اپنے ارتقا کے دوران کہانی مختلف منازل سے گزری۔ معاشرتی ضرورت کے مطابق اس کے روپ اور موضوعات بدلتے گئے۔ یہی کہانی حکایت، تمثیل، داستان ،اول اور افسانے کی صورت میں متشکل ہوتی نظر آتی ہے۔

جب انسان نے تہذیبی ترقی کی وراسے آسائش کے موقع میسر آئے تو داستان وجود میں آئی۔ داستان ایسی رومانی کہانی ہے جس میں خیالی واقعات کا بیان اور مافوق الفطرت عناصر مثلاً جنون، پریوں وغیرہ کی رنگ آمیزی ملتی ہے۔ عموماً اس کے کردار شہزادے، شہزادیاں ہوتے ہیں۔ داستان میں کوئی مربوط پلاٹ نہیں ہوتا اور داستان گو کو پوری آزادی ہوتی ہے کہ دلچسپی اور رنگینی کی خاطر قصے کو طول دے سکے۔

اردو ناول مغرب کی دین ہے۔ ناول سے پہلے اردو ادب میں داستان کا رواج تھا۔ انگریزوں کی برصغیر میں آمد کے بعد ہندوستانی معاشرے میں تغیر و تبدل ہوا۔ سماجی تبدیلیوں کی وجہ سے زندگی کو حقیقی انداز میں دیکھنے کا رویہ پیدا ہوا۔ ادیب بھی ان تبدیلیوں سے متاثر ہوئے اور انھوں نے ماورائی اور تخیلاتی انداز کی بجائے حقیقت پسندی کو اپنایا۔ ناول صنعتی دور کی پیداوار ہے جب سائنس نے ترقی کی اور بہت سے عقائد اور تواہم باطل قرار پائے تو داستانوں کی جگہ ایک نئی صنف ادب کی ضرورت محسوس ہوئی جو حقیقت کے قریب اور عصر جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو کیونکہ داستانوں میں مافی الفطرت کردار تھے، جن پر یقین کرنا دور جدید کے حقیقت پسند انسان کے لیے مشکل تھا۔

۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد سرسید تحریک نے ہمارے ادب پر گہرے اثرات مرتب کیے اور ادیبوننے تصوراتی دنیاسے نکل کر حقیقی دنیا کے موضوعات کواپنی تحریروں میں جگہ دی۔ اردو کی جدیدنثری اصناف میں ناول ایک ترقی یافتہ صنف ہے۔

جیسا کہ گزشتہ سطور میں بتایا گیا ہے کہ داستان کے برعکس ناول تخیلاتی دنیا کی بجائے حقیقی دنیا کے واقعات اور مسائل کو اپنا موضوع بناتا ہے۔ اس لیے ناول کے موضوع ہیں بھی اتنی وسعت ہے جتنی خود زندگی میں۔ چنانچہ ناول میں تاریخ، معاشرت، اخلاقیات، معیشت، سیاست، نفسیات، سائنس، سیاحت غرض کہ زندگی کا ہر پہلو پیش کیا جا سکتا ہے۔ ناول نگار فنی تقاضے نبھاتے ہوئے ان موضوعات کو زیر بحث لاتا ہے ۔ فن کی ضرورت کے پیش نظر ناول لکھتے وقت چند اجزائے ترکیبی کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

بیکر کے بقول:

"ناول ایک نثری بیانیہ ہے جو قصے کے ذریعے انسانی زندگی کی ترجمانی کرتا ہے"۔

پلاٹ:

پلاٹ واقعات کی منطقی ترتیب کا نام ہے۔ پلاٹ سے مراد وہ خاکہ ہے جو ناول نگار کہانی کی ترتیب و تنظیم سے متعلق آغاہی سے اپنے ذہن میں بناتا ہے۔ پلاٹ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک چست (COMPACT) پلاٹ اور دوسرا ڈھیلا ڈھالا (LOOSE) پلاٹ۔ اس کے علاوہ ناول نگار قصے کی ضرورت کے مطابق سادہ یا مرکب پلاٹ کا انتخاب کر سکتا ہے۔ پلاٹ جتنا گھٹا ہوا اور چست ہو گا۔ اتنا ہی ناول فنی

لحاظ سے کامیاب تصور کیا جائے گا اور نال نگار کی واقعات پر گرفت رہے گی۔ ناول کی کہانی چند واقعات کا مجموعہ ہوتی ہے۔ چنانچہ دلچسپی کے لیے ضروری ہے کہ ان واقعات میں ایک ربط اور تسلسل ہو اور نیا واقعہ پہلے واقعے کا نتیجہ ہو۔

قصہ یا کہانی:

ناول میں بنیادی چیز کہانی ہے۔ اس لیے کہ ناول کا مقصد ہی قصہ یا کہانی بیان کرنا ہے۔ انگریزی نقاد ای ایم فوسٹر نے قصے کی اہمیت کو یوں بیان کیا ہے:

"قصہ ناول کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔"

دلچسپی تجسس اور منطقی ربط ایک کہانی کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ ناول اجتماعی زندگی کو پیش کرتا ہے جس میں مختلف واقعات اور نگ ہوتے ہیں۔ ان واقعاتکو پرتاثیر انداز میں پیش کرنا اور ان میں زندگی کے رنگوں کو خوب صورتی سے سمونا ہی ناول نگار کا کمال ہے۔

کردار:

ناول مین جن افراد یا اشخاص کا قصہ بیان کیا جاتا ہے انھیں فنی اصطلاح میں کردار کہتے ہیں۔ ناول میں کردار نگاری کی بہت اہمیت ہے کیونکہ قصہ کرداروں ہی کے ذریعے آگے بڑھتا ہے۔ موثر اور فعال کردار ناول کو دلچسپ اور کامیاب بناتے ہیں۔ کردار دو طرح کے ہوتے ہیں۔

ایک غیر تغیر پذیر کردار یا سپاٹ کردار(FLAT CHARACTERS) اور دوسرے تغیر پذیر کردار (ROND CHARACTERS)۔ غیر تغیر پذیر کرداروں کو ٹائپ یا مثالی کردار بھی کہتے ہیں جو شروع سے آخر تک ایک جیسے رہتے ہیں اور ان میں کسی مرحلے پر بھی تبدیلی نہیں آتی یعنی ایک کردار اگر قصے کے آغاز میں نیک ہے تو انجام تک نیک ہی رہے گا اور برا ہے تو برا ہی رہے گا۔ جیسے مولوی نذیر احمد کے کردار عموماً سپاٹ کردار ہوتے ہیں۔ غیر تغیر پذیر کرداروں کو تہہ دار کردار بھی کہتے ہیں جن پر واقعات وحادثات اثر انداز ہوتے ہیں اور حالات کے ساتھ ان میں تبدیلی آتی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ کردار مرکزی ہوتے ہیں جن کے بغیر قصہ آگے نہیں بڑھ سکتا اور کچھ ضمنی یا معاون کردار ہوتے ہیں۔ کرداروں کی تخلیق موضوع اور کہانی پر منحصر ہے۔ ایک اچھا ناول نگار کرداروں کو فطری انداز میں پیش کرتا ہے۔ ان کی زبان اور لباس ان کے حسب حال ہوتا ہے اور وہ حقیقی دنیا کے باشندے معلوم ہوتے ہیں جو ہمیں اپنے ارد گرد چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔

مکالمہ:

کرداروں کی آپس میں گفتگو کو فنی اصطلاح میں مکالمہ کہتے ہیں۔ مکالمہ ناول کا ایک اہم جزو ترکیبی ہے۔ مکالمہ ناول نگار کے ساتھ میں اظہار خیال کا بہترین ذریعہ ہے جو کردار نگاری اور واقعات کو آگے بڑھانے کا اہم وسیلہ ہے۔ مکالمے چست، فطری، دلچسپ اور برجستہ ہوں۔ کرداروں کی عمر، رشتے، طبقے، سماجی حیثیت اور ذہنی حالت اور ماحول کا خیال رکھا جائے اور اس کے حسب حال متن اور زبان وبیان کا انتخاب کیا جائے۔ مثلاً ایک تعلیم یافتہ اور ایک گنوار کردار کی زبان کی ضروریات مختلف ہوں گی۔

مکالمے جتنے جاندار اور فطری ہوں گے ناول اتنا ہی عمدہ ہوگا۔ روز مرہ اور بامحاورہ زبان کے استعمال کے لحاظ سے مولوی نذیر احمد اور فنی بلندی کے لحاظ سے مرزا ہادی رسوا کے ناول "امراؤ جان ادا" کے مکالمے اچھی مثالیں ہیں۔

منظر نگاری:

منظر نگاری ناول کی جان ہے۔ بہترین منظر نگاری ناول میں دلچسپی اور کشش کا باعث بنتی ہے۔

واقعات کے بیان اور کرداروں کی گفتگو کے ساتھ پر اثر منظر کشی بھی جزوِ لازم کی حیثیت رکھتی ہے۔ منظر نگاری کے لیے ضروری ہے کہ مناظر قدرتی (مثلاً موسم، باغ وغیرہ) ہوں یا معاشرتی (بازار، میلے ٹھیلے، تقریبات)۔ ناول نگار ان کی تصویر کشی ایسے کرتے کہ قاری کو محسوس ہو کہ وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ مولانا عبدالحلیم شرر کا ناول "فردوس بریں" منظر نگاری کی بہترین مثال ہے۔

اسلوب بیان یا زبان و بیان:

اسلوب طرزِ تحریر کو کہتے ہیں۔ ایک ناول نگار کے لیے ضروری ہے کہ اسے زبان کے فنی پہلوؤں پر عبور ہو۔ کسی بھی فن پارے کے لیے ڈکشن اور اسلوبِ بیاں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ بلند فکر کو ادا کرنے کے لیے زبان کا بھی اعلیٰ پائے کا ہونا ضروری ہے۔

زبان کا موضوع اور ماحول کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ موضوع کی تبدیلی کے ساتھ زبان میں بھی تبدیلی آتی ہے۔ زبان اور موضوع کی ہم آہنگی ناول کی کامیابی کی ضامن ہے۔ زبان کرداروں کے حسب حال اور معیاری ہونی چاہیے۔ فرد کے منہ سے نکلا ہوا جملہ اس کے کردار کی پوری عکاسی کرتا ہے۔ ایک اچھا اسلوب قصے میں دلچسپی اور کشش کے ساتھ قاری کے لیے فرحت و انبساط کا سامان بھی فراہم کرتا ہے۔

نظریۂ حیات:

ہر ادیب کا زندگی اور معاشرے کے بارے میں اپنا نقطہ نظر ہوتا ہے۔ اس نظریۂ زندگی اور طرزِ فکر کو وہ اپنی تحریر میں پیش کرتا ہے۔ پلاٹ کو اگر جسم کہا جائے تو نظریۂ حیات کو روح کہا جائے گا۔

ناول نگار جو کچھ لکھتا ہے وہ کسی خاص مقصد یا کسی خاص نظریے کے تحت لکھتا ہے۔ ناول نگار معاشرے کے کسی ایک پہلو کو اپنا موضوع بحث بناتا ہے۔ موضوع ہی ناول میں کسی نہ کسی نقطۂ نظر کی پیشکش کا سبب بنتا ہے۔

ناول نگار کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے نظریات اور فکر و فلسفہ کو ناول کے واقعات کے ساتھ اس طرح چھن چھن کر باہر آئے اور اس کا فلسفہ مربوط کرے کہ کہانی کا حسن مجروح نہ ہو۔

اردو ناول کا ابتدائی دور:

انیسویں صدی کی چھٹی دہائی میں اردو ناول نگاری کا آغاز ہوا اگرچہ ماہرین کے مطابق مولوی کریم الدین احمد نے "خطِ تقدیر" کے ذریعے اس صنف کی بنیاد رکھی۔ یہ ناول ۱۸۶۲ء میں منظر عام پر آیا تاہم اردو ناول نگاری کا باقاعدہ آغا مولوی نذیر احمد سے ہوتا ہے۔

سرسید اور ان کے رفقا مسلمانوں کو زمانے کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا چاہیے تھے۔ مولوی نذیر احمد (۱۹۱۲ء۔۱۹۳۰ء) نے سرسید

کے اس مشن کی تکمیل کے لیے ناول کوذریعہ اظہار بنایا ۔انھوں نے اپنے ناولوں کے ذریعے متوسط طبقے کی اخلاقی اور معاشرتی اصلاح کی کوشش کی۔

ڈ پٹی نذیر احمد نے کل سات ناول لکھے۔ ان کاپہلاناول مراۃ العروس ہے جو ۱۸۶۹ء میں شائع ہوا، جس کاموضوع لڑکیوں کی تربیت ہے ۔ اکبری اور اصری کے دومتضاد کرداروں کے ذریعے انھوں نے عورت کو سلیقہ مندی ،اخلاق اور خانہ داری کادرس دیا۔

دوسراناول بنات النعش (۱۸۷۲ء) میں شائع ہوا۔ یہ مراۃ العروس کادوسرا حصہ معلوم ہوتاہے ۔اس میں طبقہ نسواں کے لیے ایک کتب کاقیام عمل میں لایاجاتاہے۔ اس میں زیادہ توجہ علم کے مختلف شعبوں مثلاً علم ریاضی وہیئت ،تاریخ و جغرافیہ اورحفظان صحت سے متعلق معلومات فراہم کرنے پر مرکوز ہے۔تیسرا ناول"توبۃ النصوح "(۱۸۷۷ء) ہے۔

اس ناول میں نصوح کے خواب کے ذریعے اس کی زندگی میں تبدیلی دکھائی گئی ہے جو اپنی بیوی اور چھے بچوں کے ساتھ زندگی بسر کر رہا تھا۔اس ناول کا موضوع اولاد کی تربیت اور دین کی تعلیم ہے۔ فنی نقطۂ نظر سے یہ ناول پہلے دونوں ناولوں سے بہتر ہے۔اس کا پلاٹ زیادہ چست اور متوازن ہے۔ زبان بھی زیادہ ادبی ہے۔

چوتھے ناول" فسانہ مبتلا"(۱۸۸۵ء) میں کثرتِ ازدواج کے برے نتائج دکھائے گئے ہیں کہ نفسیاتی خواہشوں کے زیر اثر ایک زائد شادیاں پریشانی کے باعث بنتی ہیں۔

ان کاپانچواں ناول ابن الوقت (۱۸۸۸ء) مشہور ناول ہے جو فنی لحاظ سے بھی ان کابہترین ناول تصور کیاجاتاہے اور اسے اردوکا پہلااور مکمل ناول کہاجاتاہے ۔ ابن الوقت اس ناول کامرکزی کردار ہے جو انگریزی معاشرت کی کورانہ تقلید کرتاہے اور اپنے مفاد کے لیے نت نئے چولے بدلتا ہے ۔ اس ناول کادوسرابڑا کردار حجۃ الاسلام ہے ۔یہ مذہبی آدمی ہے جو ابن الوقت کو دین کی طرف راغب کرنے کے لیے دلائل دیتاہے ۔اس ناول کاموضوع قومی تہذیب اورمعاشرت ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ابن الوقت کے پردے میں سرسیداحمد خان کے کردار پر چوٹ کی ہے اور حجۃ الاسلام کے پردے میں خودمولوی نذیراحمد ہیں۔ابن الوقت نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران ایک انگریز کی جان بچا کر انعام حاصل کیا اور پھر انگریزوں جیسا بننے کی کوشش کرنے لگا۔اس ناول میں اس زمانے کی معاشرت کاجیتاجاگتا مرقع پیش کیاگیاہے۔ مولوی نذیراحمد کے مشاہدے کی دادیناپڑتی ہے۔AS

چھٹاناول" ایامی(۱۸۹۱ء)" ہے جس کاموضوع "عقدِ بیوگان" ہے ۔نذیراحمد نے اس ناول کے ذریعے سماج کی بڑی برائی کو بیان کیاہے۔ ہندوستانی معاشرے میں ہندو بیواؤں کی دوبارہ شادی ممنوع ہے۔ اس ناول کامرکزی کردار "آزادی بیگم"ہے، جس کے ذریعے انھوں نے ایک بیوہ کی درد بھری کہانی بیان کی ہے۔ یہ نفسیاتی ناول ہے۔ رویائے صادقہ(۱۸۹۲ء) مولوی نذیراحمد کاآخری ناول ہے جس میں صادقہ کے

ذریعے ایک نوجوان کی اصلاح کی گئی ہے۔ درحقیقت یہ ناول ایک خواب نامہ ہے،جس مینایک لڑکی خواب دیکھتی ہے ۔ان خوابوں میں مذہبی اور اخلاقی نصیحتیں ہیں۔ اس ناول میں کہانی کم ہے اور وعظ ونصیحت زیادہ۔

مولوی نذیر احمد کی تخلیقات اردو ناول نگاری کے ابتدائی نقوش ہیں۔انھیں زبان وبیان پر قدرت حاصل ہے۔دہلی کا روزمرہ اور محاورہ جیسا انھوں نے استعمال کیا اس کی مثال نہیں ملتی ہے۔

بالخصوص عورتوں کی زبان لکھنے میں مولوی صاحب کو کمال حاصل ہے۔بقول علی عباس حسینی" مولوی نذیر احمد عورتوں کے مکالموں کے بادشاہ ہیں۔"

) اردو ناول کی تاریخ وتنقید،ص۲۱۳(

رتن ناتھ سرشار(۱۹۰۳ء۔۱۸۴۷ء):

اردو ناول کے ارتقا میں دوسرااہم نام پنڈت ناتھ سرشار کاہے۔پنڈت ناتھ سرشار نے متعدد ناول لکھے۔ ان کے مشہور ناولوں میں جامِ سرشار، سیر کہسار، کامنی،بچھڑی دلہن،طوفان بے تمیزی،کڑم دھڑم اور پی کہاں وغیرہ اہم ہیں۔ ان کانمائندہ ناول"فسانہ آزاد" ہے۔ یہ ضخیم ناول ہے جو چار جلدوں اور سواتین ہزارصفحات پر مشتمل ہے۔ یہ ناول اودھ اخبار میں قسط وار شائع ہوتارہا۔ ۱۸۸۰ء میں کتابی شکل میں منظرعام پر آیا۔ سرشار اودھ کی تہذیب سے بخوبی واقف تھے۔ سرشار نے لکھنو کے زوال پذیر معاشرے کو اپنے منفرد لہجے اور مزاحیہ انداز یعنی لطیفوں اور چٹکلوں کی صورت میں بیان کر دیا۔ سرشار کا یہ ناول بہت مقبول ہوا۔ یہ ناول لکھنو کی مٹتی ہوئی تہذیب کی ایسی مرقع نگاری ہے،جس سے ہر پہلو بے نقاب ہوگیا اور ہرطبقے کو نمائندگی ملی۔ اگرچہ فنی لحاظ سے اس ناول میں بہت سی خامیاں ہیں۔ یوں سمجھینکہ مولوی نذیراحمد کے سامنے دلی کے متوسط گھرانے تھے تو سرشار کے سامنے لکھنو کی مٹتی ہوئی تہذیب کانمونہ۔

فسانہ آزاد کے تین نمائندہ کردار ہیں۔آزاد، خوجی اور حسن آرا۔ناول کے ہیرو میاں آزاد ہیں جو کھلنڈرے قسم کے انسان ہیں۔ ان کا ساتھی خوجی ہے، جس کا مشغلہ لکھنو میں آوارہ گردی کرنااور ڈینگیں مارنا ہے۔حسن آرا خوددار اور تعلیم یافتہ دوشیزہ ہے جسے مسلمانوں سے ہمدردی ہے۔اس ناول میں بہت سی خامیاں بھی ہیں مثلاًاس کاانداز داستان جیسا ہے۔ناول کے ہیرو کے کارناموں میں مبالغہ اس قدر ہے کہ وہ کوئی مافوق الفطرت مخلوق محسوس ہوتا ہے۔اس ناول کی ہیئت داستان جیسی ہے۔داستان میں پلاٹ نہیں ہوتا، اس ناول میں پلاٹ منظم نہیں ہے۔سید وقار عظیم لکھتے ہیں:

"پلاٹ جسے کہانی میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔اس ضخیم کتاب میں ناپید ہے نہ اس کا کوئی آغاز ہے نہ انجام"۔

)داستان سے افسانے تک،ص۶۱(

فسانہ آزاد سے محسوس ہوتا ہے کہ سرشار اودھ کی تہذیب و معاشرت سے بخوبی واقف تھے اور ان کا مشاہدہ بہت وسیع تھا۔ فسانہ آزاد میں ایک جیتا جاگتا لکھنو نظر آتا ہے۔خوجی اردو ناول کی تاریخ کا ناقابل فراموش کردار ہے۔سرشار کے ساتھ "اخبار اودھ پنچ"

کے مالک منشی سجاد حسین کے ناول" حاجی بغلول اور طرح دار لونڈی ظرافت کی وجہ سے مشہور ہیں۔حاجی بغلول کو خاص شہرت حاصل ہے۔

عبدالحلیم شرر(۱۹۲٦ء۔۱۸٦۰ء):

شرر نے متعدد معاشرتی اور تاریخی ناول لکھے لیکن ان کی شہرت تاریخی ناولوں کی وجہ سے ہے۔انھوں نے ناول نگاری میں نئی روش کا آغاز کیا اور تاریخی ناولوں کے ذریعے مسلمانوں کے شاندار ماضی کو دوہرایا اور اصلاحِ احوال کی کوشش کی۔شرر پہلے ادیب ہیں جنھوں نے ناول کے فنی تقاضوں کا خیال رکھا اور ناول میں پلاٹ کا اضافہ کیا۔

پروفیسر عبدالسلام کے بقول:

ہمارے ہاں شرر پہلے شخص ہیں جنھوں نے ناول سمجھ کر لکھا ۔ناول کالفظ بھی انہوں نے استعمال کیا۔(اردو ناول بیسویں صدی میں،ص٤١)

فرووس بریں کو شرر کی بہترین تخلیق قرار دیا جا تا ہے جو ۱۸۹۹ء میں شائع ہوا۔ شرر نے حسن بن صباح کی مصنوعی جنت کی خوب صورت عکاسی کی ہے اور فرقہ باطنیہ کی تبلیغی سازشوں کو بے نقاب کیاہے ،جس کا خاتمہ تاتاریوں کے ہاتھوںہوا۔اسلوب بیاں پر تاثیر اور منظر نگاری لاجواب ہے۔ فردوس بریں کی رومانی فضا قاری کو اپنے سحر میں جکڑلیتی ہے۔ناول کاہیرو حسین اور ہیروئن زمردہے۔ ان کے علاوہ نمایاں کردار شیخ علی وجودی اور حسن بن صباح ہیں۔ شیخ علی وجودی اُردو ناول کی تاریخ کے بہترین کرداروں میں شمار ہوتاہے۔

شرر کے ہم عصر محمدعلی طیب (١٨٥٤ء۔١٩١٨ء)نے بھی شرر سے متاثر ہوکر تاریخی ناول لکھے لیکن ان کے ناولوں کووہ مقام ومرتبہ حاصل نہ ہوسکا جو شرر کوملا۔ ان کے ناولوں میں "نیل کاسانپ اور عبرت" دلچسپی کے حامل ہیں۔

علامہ راشدالخیری (١٨٦٨ء۔١٩٣٢ء):

انیسویں صدی کے ابتدائی ناول نگاروں میں ایک اور معروف نام علامہ راشد الخیری ہے۔ ان کاتعلق دہلی سے تھا۔ ان کے ناولوں کی تعداد پچاس سے زیادہ ہے۔ انہوں نے مسلم خواتین کی دردناک حالت کی بہترین تصویر کشی کے ذریعے عورتوں کی اصلاح کی کوشش کی۔ اس لیے انھیں مصورغم بھی کہتے ہیں۔ ان کے مشہور ناول "صبحِ زندگی، شام زندگی" ہیں۔ صبحِ زندگی ١٩٠٧ء اور شام زندگی ١٩١٧ء میں شائع ہوا۔ دونوں کا مرکزی کردار نسیمہ ہے۔ صبحِ زندگی میں نسیمہ کی تعلیم وتربیت کے احوال ہیں اور" شامِ زندگی" میں نسیمہ کی شادی کے بعدکاذکر ہے۔ یہ ناول مفیدمعلومات کاذخیرہ ہے۔

مرزا محمدہادی رسوا(١٨٥٨ء۔١٩٣١ء):

اس عہد کے سب سے کامیاب اور معروف کاناول نگار مرزاہادی رسوا ہیں، جنھوں نے افشائے راز ،امراؤ جان ادا ،ذات شریف ، شریف زادہ اور اختری بیگم جیسے ناول لکھے لیکن ان سب میں شہرت "امراؤ جان ادا"

کوحاصل ہوئی۔ امراؤ جان ادا ان کی شاہکار تخلیق ہے جو ۱۸۹۹ء کو شائع ہوا۔ اردو کے کلاسیکی سرمائے میں یہ واحد ناول ہے جوفن کی کسوٹی پر پوراترتا ہے۔ مربوط پلاٹ، ہم آہنگ اور متناسب واقعات، بہترین کردارنگاری اور دلکش اسلوب کی بناپریہ اردوکابہترین ناول تصور کیاجاتاہے۔ اس ناول کامرکزی کردارامراؤ جان ادا ایک طوائف ہے۔رسوانے اپنے ناول کے لیے طوائف کے کوٹھے کاانتخاب کیااور وہاں کیمرہ لگاکر سارے لکھنو کازوال آمادہ معاشرہ دکھادیا۔ یہ ایک نفسیاتی ناول ہے جو صرف ایک طوائف کی داستانِ حیات ہی نہیں بلکہ اس دور کے لکھنو کی تہذیب کامرقع ہے۔

پریم چند(۱۸۸۱ء۔۱۹۳۶ء):

معروف افسانہ نگار اور ناول نگارمنشی پریم چند کااصل ناول دھنپت رائے تھا۔ وہ بنارس کے قریب ایک قصبے میں پیداہوئے۔رسوا کے بعد پریم چند وہ ناول نگار ہیں جنھیں سماجی حقیقت نگار کہاجاتاہے۔ وہ زندگی اور فن کی عظمت کے مظہر ہیں۔ انھوننے دیہاتی زندگی کے مسائل کی بہترین عکاسی کی ۔ ان کی ناول نگاری کے تین ادوار ہیں۔پہلے دور میں رومانی عنصر، دوسرے میں مقصدیت اور جذباتیت اور تیسرے مینانقلابی شعور ملتاہے جس میں انھوں نے جبروتشدد کے خلاف احتجاج کیا۔ ان کاپہلاناول اسرارِ معبد ہے جو ۱۹۰۳ء تا۱۹۰۵ء رسالہ آوازِ خلق میں قسط وار شائع ہوتا رہا۔ ان کے دیگر ناولوں مینبیوہ ،بازارِ حسن ،نرملا غبن، گوشہ عافیت، چوگان ہستی میدانِ عمل اور گؤ دان معروف ہیں۔ انھوں نے اردو کے علاوہ ہندی مینبھی ناول لکھے۔ پریم چند کے ابتدائی ناولوں میں بازارِ حسن ،گوشۂ عافیت ،نرملا اور غبن اہم ہیں۔ آخری دور کے ناولوں میں میدانِ عمل اور گؤ دان اہم ہیں۔پریم چند کے ابتدائی ناولوں میں فن کی وہ پختگی نہیں جو میدانِ عمل اور گؤ دان میں ملتی ہے۔

پریم چند کے ناولوں میں گؤ دان (۱۹۳۶ء) شاہکار کی حیثیت رکھتاہے جو ان کے فن کی معراج ہے۔مصنف نے خود بھی اسے اپنے ناولوں میں بہترین قراردیاہے۔ ناول کامرکزی کردار ایک غریب کسان ہوری ہے جو اپنے گھر کے افرادبیوی دھنیا،بیٹاگوہر اور بیٹیاں روپا اور سوناکے ساتھ رہتاہے۔ پریم چند نے گؤ دان میں ہوری جیسے مظلوم اور غریب کسان کو ہیروبناکر اردو فکشن کی سابقہ روایات کوتوڑاہے۔ گؤ دان میں آزادی سے پہلے شمالی ہندمیں زندگی کاایساسچا مرقع سامنے آیاہے جس کی مثال اردو اور ہندی میں نہیں ملتی۔پریم چند کاگؤ دان جبرواستحصال کی قوتوں کے خلاف بغاوت اور احتجاج کااعلامیہ ہے۔

اردو ناول کادوسرادور :(۱۹۳۶ء تا تقسیم ہند):

علی گڑھ تحریک کے بعد جس تحریک نے کم وقت میں اردوزبان وادب پر اثرات مرتب کیے۔ وہ ترقی پسند تحریک تھی ۔یہ تحریک سماجی مساوات کی علم بردار اور ظلم وجبر کے خلاف تھی۔ ترقی پسند تحریک نے ادب کے مروجہ پیمانوں اوراقدار سے انحراف کرتے ہوئے حقیقت

نگاری کو رجحان دیا ۔اس تحریک پر کارل مارکس اور فرائڈ کے اثرات کی عکاسی ملتی ہے۔ہندوستان میں ۱۹۳٦ء میں اس تحریک کاپہلااجلاس ہوا، جس کی صدارت پریم چند نے کی۔

ترقی پسند ادیبوں نے انسان دوستی کی اس فکر کو رواج دینے کی کوشش کی، جس کا اظہار پریم چند کے آخری دور کے ناولوں اور افسانوں میں ملتا ہے۔ ترقی پسند تحریک کے نمائندہ ناول نگاروں میں سجاد ظہیر، کرشن چندر، عصمت چغتائی، احسن فاروقی اور عزیز احمد کے نام سر فہرست ہیں۔آمدہ سطور میں معروف ترقی پسند ناول نگاروں کا تعارف پیش کیا جائے گا۔

عصمت چغتائی:(۱۹۰۵ء۔۱۹۹۱ء):

ترقی پسند ادیبوں میں ایک اہم نام ہے۔عصمت چغتائی بدایوں(یوپی)میں پیداہوئیں۔ بے رحم حقیقت نگاری اور عریانی کے لیے معروف ہیں ۔انھوں نے اپنے افسانوں اور ناولوں میں متوسط مسلم گھرانوں کی لڑکیوں کے جنسی اور نفسیاتی مسائل کو پیش کیا ۔عصمت نے عورتوں کی گھریلو اوربامحاورہ زبان استعمال کی۔ ان کی زبان متوسط طبقے کی تعلیم یافتہ عورت کی معیاری زبان ہے۔ نسوانی زبان لکھنے میں ان کاکوئی ثانی نہیں۔ ان کے ناولوں میں ضدی(۱۹٤۲ء) ٹیڑھی لکیر(۱۹٤۵ء) معصومہ(۱۹٦۱ء) اورسودائی(۱۹٦۲ء) مشہور ہیں۔

ٹیڑھی لکیران کاسب سے مشہور ناول ہے۔اس ناول میں آپ بیتی کی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔یہ ایک کرداری اور نیم سوانحی ناول ہے جس کا مرکزی کردار ایک لڑکی شمن ہے۔ ساری کہانی اسی کے گرد گھومتی ہے۔ یہ ایک ایسی لڑکی کی کہانی ہے جس کی ہر بات ٹیڑھی ہے۔ شمن کے ٹیڑھے پن کی وجہ والدین کی محبت اور توجہ سے محرومی ہے جو اسے ہاسٹل میں داخل کرا کے اپنی ذمہ داری سے بری ہو جاتے ہیں۔ناقدین کی نظر میں شمن عصمت چغتائی کا بہترین کردار تصور کیا جاتا ہے جو ان کے گہرے مشاہدے اور وسیع مطالعے کا مظہر ہے۔ عصمت نے شمن کے کردار کا بہت خوب صورت نفسیاتی تجزیہ ہے۔اس کردار کی تشکیل میں فرائڈ کے اثرات کی عکاسی ملتی ہے۔

ناول "ضدی" ایک فلمی انداز کی رومانی کہانی ہے جس میں محبت کی داستان بیان کی گئی ہے۔ کہانی کے ہیرو پورن کا تعلق امیر طبقے سے ہے جب کہ ہیروئن آشا ایک غریب لڑکی ہے۔ دونوں کی عشقیہ داستان موت کے المیے پر ختم ہوتی ہے اور پورن کے ساتھ آشا بھی جل مرتی ہے اور ہیرو دیوانہ ہو جاتا ہے۔

" معصومہ" بمبئی کے ماحول پر لکھا گیا ناول ہے جس میں فلم انڈسٹری اور سیٹھ ساہوکاروں کی زندگی کی حقیقی تصویر پیش کی گئی ہے۔ یہ ایسے خاندان کی کہانی ہے جس کا سرپرست خاندان کو بے سہارا چھوڑ کر پاکستان چلا گیا ہے۔ معصومہ اور اس کی ماں نے ایسے زندگی گزاری تھی کہ وہ محنت مزدوری کر نہیں سکتی تھیں،اس لیے زندہ رہنے کے لیے انھیں سب کچھ گوارا کرنا پڑا۔

عزیزاحمد:(۱۹۱۳ء۔۱۹۷۸ء):

بھارت کے شہر حیدر آباد میں پیداہوئے۔ وہ فرائڈ کے دبستان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے جنسی رجحانات کے باعث بعض ناقدین نے ان پر سخت تنقید کی ہے۔ ان کامشہور ناول گریز (۱۹٤۲ء)ہے جوان کی پہچان بنا ۔اس ناول میں عزیزاحمد نے نعیم نامی ایک ایسے نوجوان کی

کہانی بیان کی ہے جو آئی سی ایس کے لیے منتخب ہوجاتاہے اور اپنی تربیت کے دوران برطانیہ اور یورپ کی سیر کرتاہے۔کہانی ۱۹۳٦ء سے ۱۹٤٦ء کے زمانے کو محیط ہے۔

ایسی بلندی ایسی پستی(۱۹٤۸ء) میں حیدر آباد کے اعلیٰ طبقے کی بھرپورعکاسی کی ہے اور ان کی نفسیات کا کامیاب احاطہ کیاہے جو انگریز حکومت کاقرب حاصل کرنے کی تگ ودو میں ساری اخلاقیات کو بالائے طاق رکھ دیتاہے۔

آگ(۱۹٤۸ء) میں کشمیر کے مختلف طبقوں اور امرا کی عیازشیوں کو بڑی واقعیت سے بیان کیاہے۔ اس کے علاوہ ہوس ،مرمر اور خون اور شبنم ان کے قابل ذکر ناول ہیں۔ عزیزاحمد نے خطوط ،ڈائری ،سفرنامہ اور شعور کی روکی تکنیک کے تجربات کیے اور جنسی موضوعات پر بے باکی سے لکھا۔

سجاد ظہیر(۱۹۰۵ء۔۱۹۷۳ء):

سجادظہیر ترقی پسند تحریک کے روح رواں ہیں ۔لندن کی ایک رات ان کامشہور ناول ہے جو ۱۹۳٦ء میں تخلیق ہوا اور ۱۹۳۸ء میناشاعت پذیر ہوا۔ یہ ناول انھوں نے جیمس جوائس کے ناول ULYSSES سے متاثر ہوکر لکھااور شعور کی رو کی تکنیک استعمال کی ۔شعور کی رومیں آزاد تلازمہ خیال(FREE ASSOCIATION OF IDEAS) اساسی اہمیت رکھتاہے اور یہ ناول بڑی حد تک اسی پر منحصر ہے۔ایک سوچوبیس صفحات پر مشتمل اس ناول کاقصہ شام کے چھ بج کر دس منٹ سے شروع ہوتاہے اور صبح کی پہلی روشنی پر اختتام پذیر ہوتاہے۔اس ناول میں انھوں نے لندن میں زیر تعلیم ہندوستانی طلبہ کے مسائل ومعاملات کو موضوع بنایاہے۔نعیم اور شیلا مرکزی کردار ہیں۔

محمداحسن فاروقی(۱۹۱۲ء۔۱۹۷۸ء):

لکھنو میں پیداہوئے۔ ان کے دوناول شام اودھ(۱۹٤۸ء) اور سنگم(۱۹۷٦۰ء)معروف ہیں۔ شام اودھ میں اودھ (لکھنو) کی مٹتی ہوئی تہذیب کوپیش کیا ۔فسانۂ آزاد میں لکھنو کی تہذیب کو تفصیل سے جب کہ شامِ اودھ میں اختصار سے بیان کیا گیاہے۔ نواب ذوالفقار علی خان اس ناول کامرکزی کرداہے۔ اس کے ساتھ نوبہار اور انجمن آرا کے کردار اہم ہیں۔ یہ ان کابہترین ناول تصور کیاجاتاہے۔ جس میں تاریخ او رومان کاامتزاج ہے ۔ سنگم میں برصغیر کی نوسوسالہ تاریخ کااحاطہ کیاگیاہے جس میں سیاسی اور معاشرتی زندگی کا بیان ہے ۔ناول کاآغاز محمودغزنوی کے حملے سے ہوتاہے ۔ علاؤ الدین خلجی کی فتوحات ،حضرت نظام الدین اولیاکاذکر ،اکبر کاعہد ،۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ، سرسید اور قائداعظم کے افکار پر بحث ملتی ہے۔سنگم میں شعور کی رو کی تکنیک سے کام لیاگیاہے۔ قرۃ العین حیدر کے ناول "آگ کادریا"اور"سنگم" میں مطابقت تو پائی جاتی ہے لیکن "آگ کادریا"کاموضوع وقت ہے ۔ جب کہ "سنگم"کاموضوع تہذیب اور ثقافت ہے۔مسلم اور اوماپاروتی اس کے ناو ل کے بنیادی کردار ہیں۔ مسلم

محمودغزنوی کی فوج کاسپاہی ہے جوہندوستان آیا اور یہاں اوماپاروتی سے اس کی شادی ہوگئی۔

ڈاکٹراحسن فاروقی اردو کے بہترین نقاد سمجھے جاتے ہیں لیکن تنقیدی شعور رکھنے کے باوجود وہ اردو ادب کو بڑاناول نہ دے سکے۔ اس کی شاید وجہ یہ ہے کہ انھوں نے ناولوں کی تخلیق کے وقت فنی نزاکتوں کا زیادہ خیال رکھااور انھی فنی پابندیوں اور احتیاط نے ان کی تخلیق کاراستہ روکا۔

کرشن چندر(۱۹۱۳ء ۔۱۹۷۷ء):

کرشن چندر نظریاتی طور پر ترقی پسند تحریک سے وابستہ تھے لیکن ان کااسلوب بیان رومانی ادیبوں جیساہے ایک ترقی پسند ادیب کی حیثیت سے انھوں نے اپنے افسانوں اور ناولوں مینسرمایہ داروں اور جاگیردارو ں کے استحصالی نظام کے خلاف آواز بلند کی ۔"جب کھیت جاگے"(۱۹۵۲ء) ،طوفان کی کلیاں(۱۹۵٦ء)،ایک گدھے کی سرگزشت(۱۹۵۷ء) ، غدار(۱۹٦۷ء) ان کے معروف ناول ہیں۔ شکست اور طوفان کی کلیاں کشمیر کے موضوع پر ہیں۔ شکست ان کاپہلااور نمائندہ ناول ہے جس میں انھوں نے کشمیر کی عوامی زندگی پیش کی اور معاشرے پر بھرپورطنز کیا لیکن بعض اوقات محسوس ہوتاہے کہ وہ اشتراکیت کی خاطر اپنافن مجروح کرتے نظر آتے ہیں۔ ایک گدھے کی سرگزشت میں ملک کی سیاسی صورت حال اور سماجی تنزل کو طنزیہ انداز میں بیان کیاہے۔ یہ ناول تکنیک کی ایک نئی مثال ہے۔ جس میں ایک گدھے کو قوتِ گویائی عطاکی گئی ہے۔ یہ گدھا اپنے مالک رامودھوبی کی وفات کے بعد دہلی کے سرکاری دفاتر کے چکر کاٹتاہے۔ یہاں اس کاواسطہ قانون باز افسروں ،کج بحثی کرنے والے کلرکو ں ،او نگھتے ہوئے چپڑاسیوں اور ہوس پرست تاجروں سے پڑتاہے۔ یہ گدھا خود مصنف کے نظریات کی ہی تجسیم ہے۔

راجندر سنگھ بیدی:

ایک چادر میلی سی(۱۹٦۰ء) افسانہ نگار راجندر سنگھ بیدی کاواحد اورمشہور ناول ہے جس میں مصنف نے پنجاب کے ایک قصبے کا منظرپیش کرکے چھوٹے کینوس پر سکھ معاشرت کی تلخ حقیقتوں کی عکاسی کی ہے۔ کہانی حضور سنگھ، اس کے بیٹے تلوکے اور بیوی رانو کے گرد گھومتی ہے۔ اس بے رحم معاشرے میں بیوہ رانو کی حالت درد انگیز ہے۔جسے ایک طرف اقتصادی حالات اور سماجی پابندیوں کے ہاتھوں مجبور ہوکر اپنے خاوند کے قتل کے بعد اپنے نوجوان دیور منگل کے ساتھ ازدواجی رشتے میں منسلک ہوناپڑتاہے اور دوسری طرف اپنی بیٹی کارشتہ اپنے خاوند کے قاتل کے ساتھ بندھتے دیکھتی ہے۔ مصنف کو کہانی کے فن پر قدرت حاصل ہے۔ زبان کرداروں کے حسب حال ہے۔ کرداروں کی نفسیات سے مکمل آگاہی ہے ۔ یہ ناول ان کی فنی چابک دستی ،فکری گہرائی اور عمیق مشاہدے کاعکاس ہے اور مشرقی

پنجاب کے دیہات کی سیدھی سادھی اور کھردری زندگی کابے مثال بیان ہے۔

قاضی عبدالغفار:

قاضی عبدالغفار کو اولین ترقی پسند ناول نگاروں کے زمرے میں شامل کیاجاہے۔ ان کے دو ناول لیلیٰ کے خطوط اور مجنوں کی ڈائری معروف ہیں۔ اگرچہ ان کے یہ ناول ترقی پسندتحریک کے نظریات اور اس کے قائم کردہ پیمانوں پر پورا نہیں اترتے اور ان کے ہاں رومانی انداز ملتاہے لیکن ذہنی طور پر وہ ترقی پسند تحریک سے وابستہ رہے۔"لیلیٰ کے خطوط "(۱۹۳۲ء)میں مکتوب نگار ی کی تکنیک کے ذریعے ایک طوائف کی زندگی کو پیش کیاگیاہے جو سماج کی فرسودہ اقدار کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتی ہے اور اس کے کھوکھلے پن کو بے نقاب کرتی ہے۔ مجنوں کی ڈائری (۱۹۳٤ء) میں ڈائری کی تکنیک استعمال کی گئی ہے ۔ اس ناول کامرکزی کردار ایک آزاد خیال نوجوان مجنوں ہے۔

تقسیم ہند کے اردو ناول پر اثرات:

تقسیم ہند بر صغیر پاک و ہند کی تاریخ میں ایک بہت بڑاواقعہ ہے۔ یہ ایک ایساحادثہ تھا جس نے کروڑوں انسانوں کی زند گی کو تہہ و بالا کر دیا۔ انسانی تاریخ کی سب سے بڑی ہجرت رونماہوئی۔ ہجرت کے نتیجے میں انسانیت سوز واقعات رونماہوئے۔ انسان کی شیطانی سرشت جاگ اٹھی۔ وہ لوگ جو بھائی چارے سے زند گی بسر کر رہے تھے، مہاجرین کے جانی دشمن بن گئے اور انھیں قتل کرنا اور لوٹناشروع کر دیا۔ فسادات اور قتل وغارت کا وہ بازار گرم ہوا کہ انسانیت چیخ اٹھی اور اخلاقیات کا جنازہ نکل گیا۔ عصمت دری اور وحشت و بر بریت کے وہ مظاہر سامنے آئے کہ حیوانیت بھی شرما گئی۔

تقسیم ہند کے بعد اردو داد بانے ہجرت، فسادات اور ان سے پیدا ہونے والے مسائل کو ناولوں اور افسانوں میں بیان کیا۔ ویسے تو تقسیم ہند کے موضوع پر لکھے جانے والے ناولوں کی ایک بڑی فہرست ہے لیکن اختصار کی خاطر ہم یہاں چند نما ئندہ ناولوں سے متعلق پڑھیں گے۔

قرۃ العین حیدر(۱۹۲۷ء۔ ۲۰۰۷ء):

قرۃ العین حیدر اردو فکشن کا انتہائی معتبر نام ہے۔ وہ اردو کی سب سے بڑی ناول نگار ہیں۔ معروف رومانی نگار سجاد حیدر یلدرم اور مشہور ادیبہ نذر سجاد کی بیٹی ہیں۔ ضلع مراد آباد (بھارت) میں پیدا ہوئیں۔ لکھنو کے ازابیلا تھوبرن کالج سے بی اے اور لکھنو یونیورسٹی سے انگریزی میں ایم اے کیا۔

۱۹٤۷ء میں پاکستان آگئیں اور پاکستان کے شعبہ اطلاعات وفلم سے وابستہ ہوئیں۔ ۱۹٦۲ء میں واپس بھارت چلی گئیں۔ میرے بھی صنم خانے(۱۹٤۹ء)، سفینہ غم دل(۱۹۵۲ء) ،آگ کادریا(۱۹۵۹ء)، آخرشب کے ہم سفر(۱۹۷۹ء) ، گردش رنگ چمن(۱۹۸٤ء) ،چاندنی بیگم(۱۹۸۹ء)،کارجہاں دراز ہے(تین جلدیں) پہلی جلد(۱۹۷۹ء)٥ ان کے مشہور ناول ٥ ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی تخلیقات میں ناولٹ اور افسانوی مجموعوں اور دیگر تصانیف کی بڑی تعداد موجودہے۔

تقسیم ہند پر ناول نگاری میں قرۃ العین حیدر کا اہم مقام ہے۔ان کے ناولوں میں میرے بھی صنم خانے،آگ کا دریا اور آخر شب کے ہم سفر خاص طور پر تقسیم ہند سے متعلق ہیں۔قرۃ العین حیدر کا عالمی شہرت یافتہ ناول آگ کا دریا ہے جو اردو ناول نگاری کی تاریخ میں شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔اس ناول میں مصنفہ نے ہندوستان کی اڑھائی سالہ تہذیب و تاریخ کا خاکہ پیش کیا ہے۔اس ناول میں وقت کو آگ کے دریا سے تشبیہ دی گئی ہے جو ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے کر نیست و نابود کر دیتا ہے۔اعلی تعلیم یافتہ خاتون کی حیثیت سے مصنفہ نے مغربی ناول نگاروں سے استفادہ کیا۔" آگ کا دریا" پر ورجینا وولف کے ناول"اوور لینڈو" اور جیمز جوائس کے مشہور ناول ULYSSES کا اثر ملتا ہے۔یہ ایک فلسفیان ناول ہے۔ایلیٹ کی نظم کے تراشے سے جو ناول کے آغاز میں EPIGRAM کے طور پر ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ناول کا موضوع وقت کا دھارا ہے۔

ناول کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔پہلا حصہ قدیم ہندوستانی تاریخ سے مسلم دور حکومت کی ابتدا تک ہے جس کا نمائندہ گوتم نیلمبر ہے جو ہندو تہذیب کی علامت ہے۔ اس کے ساتھ ہری شنکر سائے کی طرح ہے۔ تقسیم کے بعد گوتم روس کا سفیر مقرر ہوتا ہے۔برطانیہ اور امریکہ بھی جاتا ہے۔

ناول کا دوسرا حصہ مسلم دور کو محیط ہے جس کا نمائندہ ابوالمنصور کمال الدین ہے جو بغداد سے آکر ہندوستانی کی بہذیب کا حصہ بنتا ہے۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان ہجرت کرتا ہے۔نااول کے تیسرے دور میں ہندوستان پر انگریز حکومت مستحکم ہو چکی ہے۔اس ناول میں سرل ہارڈ ایشلے انڈیا کمپنی کے لوٹ مار کے دور کا نمائندہ ہے جو ہندوستان کی دولت اور ہندوستانی عوام کا استحصال کر رہا ہے۔ناول کے اس حصے میں اودھ کی مشترکہ ہند مسلم تہذیب کے زوال کے کہانی ہے۔اس کا تعلق اودھ کے سلاطین اور رؤسا سے ہے۔

ناول کے چوتھے دور میں تقسیم سے قبل اور بعد کا زمانہ بیان کیا گیا ہے۔ یہاں گوتم کمال،ہری شنکر،چمپا،طلعت،نرملا اور کئی کردار بیک وقت جمع ہیں۔یہ سارے افراد ہندوستان کے مشترکہ قومی کلچر کی نمائندگی کرتے ہیں۔اس حصے میں ہندو مسلم منافرت اور فرقہ وارانہ فسادات اور ہجرت کے دلدوز مناظر کی عکاسی ہے۔

آگ کا دریا ایک ناول ہی نہیں بلکہ یہ ناول مہاتما بدھ کے زمانے سے لے کر برصغیر کی تقسیم تک ہندوستان کی اڑھائی ہزار سالہ ثقافتی تاریخ ہے۔ جسے مصنف نے بڑی ہنرمندی سے بیان کیا ہے۔یہ ایک فکری ناول ہے جس میں وقت کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے کہ وقت دراصل آگ کا دریا ہے جس میں انسان اپنی تمام تر علمیت،ذہانت اور جرات و ہمت کے باوجود ایک حقیر تنکے کی طرح بہہ رہا ہے اور کے تاریخ کے جبر کے سامنے بے بک اور لاچار ہے۔

اس ناول کے خاص کردار گوتم نیلمبر،ہری شنکر،چمپا احمد،ابوالمنصور کمال الدین ہیں۔قرۃ العین کے کردار ہمارے سامنے مختلف انداز میں اپنے عہد کے نمائندے بن کر آتے ہیں۔مثلاً گوتم،گوتم نیلمبر،پروفیسر گوتم ہندو تہذیب کی علامت ہے۔ گوتم کا زمانہ بدھ سے سو سال بعد کا ہے۔اڑھائی ہزار سالہ دور میں گوتم طالب علم،چترکار،گائیک،ڈراما نگار،اداکار،بیوروکریٹ،سفارت کار اور بہت کچھ ہے۔چمپا،چمپک،چمپک رانی،چمپا بائی مشرقی عورت کی علامت ہے۔پہلے دور میں چمپا ایودھیا کے راج گرو کی بیٹی،دوسرے دور یعنی ہندوستانی تہذیب کے امتیاز کے دور میں برہمن زادی چمپاوتی اور تیسرے دور میں چمپا بائی لکھنو کی طوائف ہے جو لکھنو کے تہذیبی زوال کی علامت ہے۔ چوتھے دور میں چمپا احمد مڈل کلاس کی اعلی تعلیم یافتہ لڑکی ہے۔ کمال الدین،نواب کرنال،کمال رضا،مسلم تہذیب کی علامت ہے۔

اس ناول میں قرۃالعین حیدر نے شعور کی رو STREAM OF CONCIOUNESS اور آزاد تلامذہ خیال FREE ASSOCIATION OF IDEAS کی تکنیک استعمال کی ہے۔

اس عظیم ناول میں قرۃالعین حیدر نے برصغیر کی تہذیبی زندگی کے کئی ادوار چڑھاؤ دریافت کیے۔ان کے اسلوب میں شعریت اور روانی ہے۔

ناول میں بیانیہ انداز کے ساتھ خود کلامی اور فلش بیک کی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔اس ناول پر اعتراضات بھی ہے مثلاً پہلے دور پر زیادہ توجہ صرف کی گئی جب کہ مسلم دور کو نظرانداز کیا گیا۔اسی طرح مصنفہ تقسیم ہند کو جائز قرار نہیں دیتیں کیونکہ ان کے خیال میں ہند مسلم کلچر جو صدیوں کی محنت کا ثمر تھا، تقسیم کے نتیجے میں بکھر گیا۔

قاضی عبدالستار:

تقسیم ہند پر لکھنے والوں میں قاضی عبدالستار اہم نام ہے ۔انھوں نے دارنشکوہ(۱۹٦۷ء) ،صلاح الدین ایوبی(۱۹٦۸ء) اور غالب(۱۹۸٦ء) جیسے کئی ناول لکھے لیکن تقسیم ہند سے جو ناول زیادہ متاثر نظر آتاہے۔ وہ شکست کی آواز(۱۹٦۷ء) ہے۔ اس ناول میں تقسیم ہند کے بعد یوپی کے زمینداروں کی بدحالی کی دردناک کہانی ہے۔ چودھری نعمت رسول ۱۸۸۷ء سے قبل لال پور کے ایک بڑے جاگیردارتھے لیکن تقسیم کے بعد زمینداری کے خاتمے کے بعد انھیں شدید مشکلات کاسامناکرناپڑا اور آخر مینہمت ہارکر پاکستان ہجرت کرناپڑی۔ اس ناول کا مرکزی جاوید بھی ایک زمیندار کابیٹاہے جوتعلیم یافتہ ہے لیکن مسلمان ہونے کی وجہ سے نوکری نہیں ملتی۔

رامانند ساگر:

تقسیم ہندپر لکھے گئے ناولوں میں سے رامانند ساگر کاناول "اور انسان مر گیا" فسادات کے موضووع پر اہم ناول ہے۔فسادات کے موضوع پر یہ ناول سب سے پہلے منظر عام پر آیا۔ابتدا سے انتہاتک ناول کی فضا قتل وخون میں ڈوبی ہوئی ہے۔ناول نگار نے معصوم بچوں اور عورتوں اور بوڑھوں کا زندہ جلانااور عصمت دری جیسے واقعات کو حقیقت پسندانہ انداز میں بیان کیا۔

ناول کاآغاز لاہور سے ہوتاہے اور اختتام ہندوستای سرحد راوی ندی کے پل پر ہوتاہے۔اس ناول میں مرکزی کردار آنند ہے جس کے ذریعے لاہور میں ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات کو بیان کیا گیاہے۔رامانند ساگر نے خود پاکستان سے ہجرت کی۔ مہاجرین کے قافلوں پر حملے ہوتے دیکھے اور ان انسانیت سوز واقعات کو پورے کرب کے ساتھ بیان کیا۔

عبداللہ حسین(۱۹۳٤ء):

اصل نام محمد خان ہے۔اداس نسلیں، نشیب، باگھ اورنادار لو گ ان کے معروف ناول ہیں لیکن ان کاسب سے مشہور ناول اداس نسلیں ہے جیسے آدم جی ایوارڈملا ۔اداس نسلینکاموضوع وہ نسلیں ہیں،جنھوں نے ۱۹٤۷ء کے فساادات کاسامنا کیااور بیش قیمت جانوں کانذرانہ پیش کرکے آزای کی انمول نعمت حاصل کی۔

عبداللہ حسین کاپہلاناول اداس نسلیں (۱۹۶۳ء) میں منظر عام پر آیااور صف اول کے ناولوں میں شمار ہوا۔ ناول کادورانیہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے قیام پاکستان تک ہے۔ناو ل میں پنجاب کے ایک گاؤ ں روشن پور کی دیہی زندگی دکھائی گئی ہے جو دہلی اور پنجاب کی سرحد پر واقع ہے۔اس گاؤ ں میں ہندومسلم سکھ مختلف مذاہب کے ماننے والے لوگوں کی آبادی ہے۔ ان کی مادری زبان پنجابی ہے اور پیشے کے لحاظ سے سب لوگ کسان ہیں۔ اس گاؤ ں کے ایک فرد روشن آغا نے ایک انگریزکرنل جانسن کی جان بچائی تھی ۔جس کے انعام کے طور پر انھیں روشن پور بطور جاگیرملا اور وہ ایک بڑے زمینداربن گئے اورروشن محل کے نام سے دہلی میں اپنا محل تعمیر کرایا ۔روشن آغا نے اپنے پرانے دوست محمدبیگ کو اپنی کچھ زمینیں عطاکر دیں جس سے وہ ایک چھوٹے زمیندار بن گئے۔ محمدبیگ کے دولڑکے ایازبیگ اور نیاز بیگ تھے۔ نیازبیگ چونکہ انگریزوں کے خلاف تھااس لیے اسے قانون شکنی مینسزاہوگئی اورنیازبیگ کے بیٹے محمدنعیم کو چچا ایاز بیگ کلکتہ لے گئے اورسینئر کیمبرج کرایا۔ بعدازاں نعیم اپنے گاؤ ں روشن پور آجاتاہے اور یہیں کھیتی باڑی شروع کردیتاہے۔

مرکزی خیال نعیم اور عذرا انگریزوں کے خلاف ہیں۔ناول تین ادوار پر مشتمل ہے۔پہلا برطانوی حکومت، دوسرا جدوجہد آزادی اور تیسرا تقسیم ہند کے بعد کا دور ہے۔

اداس نسلیں میں تقسیم ہند سے پہلے کاجیتاجاگتا ہندوستان نظرآتاہے۔ یہ نا ول ہندوستان کی سیاسی کشمکش کی پوری تاریخ ہے جو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزدی سے لے کر قیام پاکستان تک کے عرصے کو محیط ہے۔اداس نسلیں پر امریکی ناول نگار ایچ جی ویلز کااثر ملتاہے۔ گاؤ ں روشن پور اورروشن محل کاخاص طورپر ذکر ہے۔ دیہات اور شہردونوں کی عکاسی ملتی ہے۔ جنگ عظیم کے واقعات کو اس قدر عرق ریزی سے بیان کیاہے کہ قاری اپنے آپ کو میدان جنگ میں شریک پاتاہے۔ سکھ معاشرت کی بھی خوب صور ت عکاسی کی ہے۔فکری لحاظ سے اچھاناول ہے۔ فنی اور زبان کے لحاظ سے کمزور ہے۔

خدیجہ مستور:

آزادی کے بعد لکھے جانے والے ناولوں میں خدیجہ مستور کاآنگن(۱۹۶۲ء) ایک اہم دستاویز ہے ۔ناول دوحصونپرمشتمل ہے ماضی اور حال۔ماضی کے بیان میں انھوں نے فلیش بیک سے کام لیاہے۔ آنگن کی کہانی یوپی کے ایک متوسط مسلم گھرانے کے آنگن سے شروع ہوکر تحریک آزادی کی جدوجہد پر منتج ہوتی ہے۔ اس گھر کے آنگن میں مذہب،سیاست،تعلیم اور معاش کے مسائل موضوع زیر بحث رہتے ہیں۔یہ ناول چھوٹے پیمانے پر تحریک آزادی کے عہد کاسماجی منظرنامہ ہے جہاں برصغیر کاہرفرد نئے معاشرتی مطالبات کی وجہ سے تضادات کا شکار ہے۔

خدیجہ مستور نے ایک متوسط خاندان کی کہانی کے ذریعے سے اس پورے دور کو تخلیق کرنے کی کوشش کی ہے۔ سیاسی موضوعات، کانگریس اور مسلم لیگ کی جدوجہد اور ان کی مخاصمت، ترک وطن سب کچھ فنکارانہ حسن کے ساتھ چھوٹے سے کینوس پر موجود ہے۔

اس ناول کا مرکزی کردار بڑے چچا اطہر میاں ہیں جو کٹر کانگریسی ہیں اور جنھوں نے اپنا سارا مال ومتاع سیاست کی نظر کر دیا ہے۔ تقسیم کے بعد ایک ہندو انتہا پسند نے انھیں قتل کر دیا۔ ان کا بیٹا جمیل مسلم لیگی ہے۔ ایک کردار صفدر کیمونسٹ ذہن کا مالک اور اسرار میاں جو بڑے چچا کا کاروبار دیکھتے ہیں غیر اہم اور غیر جانب دار کردار ہے۔ عالیہ کی ماں کا کردار ایک مغرور، خود غرض اور بدمزاج عورت کا ہے۔ عالیہ کا کردار سب سے اہم ہے جو ایک باشعور تعلیم یافتہ لڑکی ہے اور تمام خاندانی روایات کی پاسبان ہے اور حالات کے پیچ وخم سے آگاہ ہے۔ چھمی کا کردار عالیہ کے برعکس ہے۔ وہ بڑے چچا کی ضد میں مسلم لیگ کے حق میں اجتماع منعقد کرتی ہے۔

عالیہ آنگن کا مرکزی کردار ہے جو ایک تعلم یافتہ اور باشعور لڑکی ہے جس کی حالات کے پیچ وخم پر نظر ہے۔ آنگن ایک ایسے خاندان کی کہانی ہے جس کے سارے کردار سیاسی پس منظر کی لپیٹ میں ہیں۔ ان کا تعلق یا نظریاتی وابستگی مسلم لیگ یا کانگریس سے ہے ۔ ناول کا پلاٹ منظم ہے۔ کوئی واقعہ غیر ضروری معلوم نہیں ہوتا اور قاری کی دلچسپی برقرار رہتی ہے۔ اسلوب سادہ، شگفتہ اور رواں ہے۔

آنگن کے بعد اُن کا دوسرا ناول زمین مصنفہ کی وفات کے بعد شائع ہوا۔ جو اسی کی آنگن ہی کی توسیع ہے۔ اس ناول میں ایک مہاجر لڑکی ساجدہ کی داستان بیان کی گئی ہے جو ایک تعلیم یافتہ لڑکی ہے اور باپ کے ساتھ یوپی سے ہجرت کر کے لاہور کے والٹن کیمپ میں آتی ہے، کچھ ہی دنوں بعد والد کی وفات کے بعد بے سہارا ہو جاتی ہے۔ ناظم اسے اپنے گھر میں پناہ دیتا ہے اور بعد ازاں اس سے شادی کر لیتا ہے۔

انتظار حسین:

تقسیم ہند کے نتیجے میں صدیوں کی آمیزش سے مشترکہ تہذیب کا شیرازہ بکھر گیا۔ یہی بکھراؤ ان کے ناولوں کا موضوع ہے۔ ماضی کے یادوں کے تعاقب میں بعض اوقات مستقبل کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ ہجرت ایک دکھ اور ناسٹالجیا کے طور پر سامنے آتی ہے۔ ان کے افسانوں کی طرح ناولوں کا رنگ بیان بھی داستانوی ہے۔ ان کے ناولوں کی بڑی خوبی ان کی ٹکسالی اور رواں زبان ہے۔

ناول بستی(۱۹۷۹ء) انتظار حسین کاپہلاناول ہے جو ہجرت اور سقوط ڈھاکہ سے متاثر ہوکر لکھاگیا۔ ناول بسی کے آغاز میں قیام پاکستان کے ان دنوں کاتذکرہ ہے جب مسلمان ہجرت کرکے پاکستان آرہے تھے۔ ناول میں بیان کردہ حالات وواقعات کامنطقی انجام سقوط ڈھاکہ کی صورت میں وقوع پذیر ہوتاہے۔یہ سقوط ڈھاکہ زوال کااستعارہ بن کر ساری خوش فہمیوں کاخون کر دیتاہے۔

آزادی سے قبل کی جدوجہد، انگریزوں کے خلاف ہندوستانیوں کا شدید ردعمل، تقسیم ہند، قیام بنگلہ دیش اس ناول کا موضوع ہے۔ ناول کے اہم کردار سریندر، سلامت، افضال، زوار، صابرہ اور انیسہ وغیرہ ہیں جو لاہور کے پاک ٹی ہاؤس "شیزان" میں مستقل

بیٹھتے ہیں۔ناول کی کہانی کا مرکز یوپی کا ایک گاؤں روپ نگر ہے۔ تقسیم ہند کے وقت ذاکر اور اس کے والدین ہجرت کر کے لاہور آ بسے لیکن ہجرت کا دردناک المیہ، مشترکہ تہذیبی ورثے اور روپ نگر سے محبت کو نہ بھلا سکے اور اپنی زمین سے جذباتی تعلق قائم رہا۔

ناول کی ابتدا قیام پاکستان سے ہوتی ہے۔جب محبت واخوت کا جذبہ نیا نیا تھا اور لوگ کھلے دل سے مہاجرین کا استقبال کرتے تھے اور ہر ممکن تعاون اور مدد کرتے۔آہستہ آہستہ یہ جذبہ اور خلوص ماند پڑتا گیا اور ہوس اور لالچ نے اپنا رنگ دکھانا شروع کیا۔لوگ جائدادوں اور دھن دولت جمع کرنے کے لیے تگ ودو کرنے لگے۔ناول نگار نے قیام بنگلہ دیش کے پس منظر کو بھی متاثر کن انداز میں پیش کیا ہے۔

قدرت اللہ شہاب:

تقسیم ہند کے موضوع پر قدرت اللہ شہاب کے ناول یاخدا(۱۹٤۸ء) میں ہجرت کے عظیم سانحے کے دوران ایک بے بس و مجبورعورت کے سہاگ کے لٹنے اور جنسی استحصال کاوہ ذکر ہے جس سے انسانیت کانپ اٹھتی ہے ۔اس ظلم و استحصال میں اپنے اور غیر دونوں شامل تھے۔ اس ناول کامرکزی کرداردلشاد مشرقی پنجاب کے ایک گاؤں چمکور کے امام مسجد علی بخش کی بیٹی ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات میں گاؤں کے تین سکھ امام مسجد کو مسجدمیں وضو کرتے وقت شہید کرکے مسجد کے کنوئیں میں پھینک دیتے ہیں اور اس کی نوجوان بیٹی کومسجد کے حجرے میں قید کرکے اس کی مسلسل عصمت دری کرتے ہیں۔ حاملہ ہونے پر اسے پولیس کے حوالے کرتے ہینجو مسلسل دس دن تک اپنی ہوس پوری کرنے کے بعداسے انبالہ کے فوجی کیمپ میں پہنچاتے ہیں۔ جہاں کے افسر اورسپاہی سیر ہونے کے بعد اسے لاہور جانے والی ٹرین میں سوار کراتے ہیں۔ ٹرین کے اندر ہی اس کی بچی کی پیدائش ہوجاتی ہے ۔آخر کار دلشاد مملکت اسلامیہ کے دو بڑے شہروں لاہور اور پھر کراچی پہنچ جاتی ہے اور جسم فروشی کرکے اپنا اور بچوں کا پیٹ پالتی ہے۔

تقسیم برصغیر کے بعد فسادات کے موضوع پر کرشن چندر کا غدار،ایم اسلم کا رقص ابلیس ،رشید اختر ندوی کا پندرہ اگست، نسیم حجازی کا خاک وخون، قیس رام پوری کا خون، بے آبر اور فردوس، رئیس احمد جعفری کا مجاہد خاص طور پر قابل ذکر ہیں لیکن یہ ناول زیادہ ادبی قدر وقیمت کے حامل نہیں۔

سقوط مشرقی پاکستان اور اردو ناول:

قیام پاکستان کے صرف ۲۵سال بعد مشرقی پاکستان کاجداہوجانا ایک ایسا قومی المیہ تھاجس نے پوری قوم کو ہلاکر رکھ دیا۔ یہ واقعہ تاریخ پاکستان میں ایک سیاہ باب کی حیثیت رکھتاہے جس سے صرف نظر کرناممکن نہیں۔ ہمارے ناول نگاروں نے بھی اس موضوع کو اپنی تخلیقات کاموضوع بنایااور مشرقی پاکستان کے تاریخی، سیاسی،معاشرتی اور تہذیبی پس منظرکی روشنی میناس سانحے

کے مختلف پہلوؤں کاجائزہ لیا اور اس المیے کے اسباب کے ساتھ، اس بحران کی پوری تاریخ رقم کردی۔

سقوطِ مشرقی پاکستان پر لکھے گئے ناولوں میں سلمی اعوان کا تنہا،الطاف فاطمہ کا چلتا مسافر،طارق اسماعیل ساگر کا کمانڈو،لہو کا سفر اور وطن کی مٹی گواہ رہنا،طارق محمود کا اللہ میگھ دے،رضیہ فصیح احمد کا صدیوں کی زنجیر،انتظار حسین کا بستی،قرۃالعین کے "آخر شب کے ہم سفر"،" ظفر پیامی کا فرار"،رؤف ظفر کا" ماتم شہر آرزو"،جیون خان کا"دپیتی" اہم ہیں۔

طارق محمود(۱۹۵۷ء) کا"اللہ میگھ دے (۱۹۸۶ء) بہاریوں کے المیے کو بیان کرتاہے۔ ناول کاکردار "فردوسی" شناخت کے عذاب سے دوچار ہے ۔اہل بنگال اسےSON OF THE SOIL مانے کو تیار نہیں اور ہندوستان کی سرزمین میں وہ قابل اعتبار نہیں۔اب وہ ایسے مقام پہ کھڑا ہے کہ نہ ماضی کی طرف لوٹ سکتا ہے اور نہ حال اسے قبول کرنے کے لیے تیار ہے۔اس ناول میں پاکستان کو متحد رکھنے کی خواہش مند تنظیم اسلامی چھاترو سنگھواور دیگر محب وطن عناصر کا بھی ذکر ملتا ہے۔ناول کا مرکزی کردار عمر ہے جو کراچی سے جاکر ڈھاکہ یونیورسٹی میں داخلہ لیتا ہے۔اس ناول میں زیادہ تر یونیورسٹی سیاست کو موضوع بنایا گیا ہے۔ناول بنگلہ زبان،بنگال مفادات اور مشرقی پاکستان کے معاشی وسیاسی استحصال جیسے موضوعات پر بنگالی افراد کے نظریات وجذبات کا ظہار ہے۔پڑھا لکھا طبقہ بین الاقوامی منڈیوں سے اقتصادی رپورٹ منگواتا ہے اور پھر اس کی تشہیر کی جاتی ہے جو بنگال کے کونے کونے میں پھیل جاتی ہے ناول مشرقی پاکستان کے سماج کی جھلکیاں بھی پیش کرتا ہے۔

قرۃ العین حیدر کاآخر شب کے ہم سفر (۱۹۷۹ء) ہندوستان کی جنگ آزادی سے لے کرمشرقی پاکستان کی علاحدگی کی تحریک تک دورانیہ پر مشتمل ہے۔ اس کاغالب حصہ زمانی اعتبار سے سقوط ڈھاکہ سے پہلے کے حالات وواقعات پر مشتمل ہے۔ اگرچہ اس ناول کامرکزی موضوع" سقوط ڈھاکہ"نہیں تاہم حالات وواقعات سقوط مشرقی پاکستان پر منتج ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔اس ناول کے کینوس میں قحط بنگال، عیسائیت کی تبلیغ، تحریک آزادی ہند اور قیام بنگلہ دیش جیسے موضوعات شامل ہیں۔پلاٹ کی تشکیل بیانیہ، سوانحی اورخطوط وڈائری جیسی تکنیکوں کے اشتراک سے ہوئی ہے۔

قرۃ العین حیدر کاناول"آخر شب کے ہم سفر(۱۹۷۹ء) تحریک آزادی سے لے کر بنگلہ دیش کے قیام تک کے واقعات کو پیش کرتاہے۔ ناول کے اہم کردار ریحان الدین احمد، دیپالی سرکار، اومارائے اور ناصرہ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو تحریک آزادی کے لیے اپناسب کچھ داؤ پر لگادیتے ہیں۔ لیکن آزادی کے بعد دنیاوی رنگینیونکاشکارہوجاتے ہیں۔ ریحان الدین ۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیش کی آزادی کے بعد نئی حکومت سے سودابازی کرکے وزیربن جاتاہے جس سے س کی بھانجی متنفر ہوجاتی ہے۔

جیون خان کاناول" دپیتی" میں جہاں مختلف کرداروں کے ذریعے ملک دشمن عناصر کی نمائندگی کی ہے وہاں ان محب وطن عناصر کا بھی ذکر ہے جو آخر وقت تک وطن کی سالمیت کی خاطر جدوجہد کرتے نظر آتے ہیں مثلاًدپیتی کا کردار "ماجد' اس وقت چکرا کے رہ جاتا ہے جب اسے ہتھیار ڈالنے کا حکم دیا جاتا ہے۔

الطاف فاطمہ نے دستک نہ دو،نشان محفل اور چلتامسافر جیسے ناول اردو ادب کوفراہم کیے۔ دستک نہ دو کوآدمی جی ایوارڈمل چکاہے۔ چلتامسافر میں صوبہ بہار کے خاندان کے المیے کی کہانی ہے۔پہلی فصل میں قیام پاکستان کے وقت بہاریوں کی قربانی کاذکر ہے جب کہ دوسری فصل میں ۱۹٤۷ء سے ۱۹۷۱ء تک بہاریونپر گزرنے والے حالات وواقعات کی عکاسی کی گئی ہے۔ اس ناول کامرکزی کردار مزمل مقامی لوگوں کے ساتھ گھلنے ملنے کی کوشش کرتاہے مگر جب اسے کامیابی نہیں ہوتی تو آخر کار اسے اپناگھربار چھوڑ کر کیمپ میں پناہ لیناپڑتی ہے ۔مصنفہ نے اس کردار کے ذریعے بہاریوں کے المناک انجام کانقشہ کھینچاہے۔لاہور کی سلسبیل اور مکتی باہنی کے کارکن بنگلہ دیشی بذلل بھی اہم کرداربیں۔بہاریوں کے مسئلے پر لکھاگیا یہ واحد مکمل ناول ہے۔

فصل کریم فضلی(۱۹۰٦ ء ۔۱۹۸۱ء)نے دوناول خون جگر ہونے تک (۱۹۵۸ء)اور سحر ہونے تک لکھے۔ناول میں جنگِ عظیم اور قحطِ بنگال دلدوز تصویر کشی کی گئی ہے ۔اس ناول کادورانیہ ۱۹۳۹ء سے ۱۹٤۵ء تک ہے۔ دوسرے ناول "سحر ہونے تک" میں تحریکِ آزادی اور تقسیمِ ہند کے عمل کو بیان کیاگیاہے۔

مستنصر حسین تارڑ کا ناول "راکھ" تہذیبی، سماجی اور سیاسی حوالے سے ہے۔ تہہ در تہہ پرتیں کھلتی جاتی ہیں۔ان ناول کے کردار کسی بھی صورت میں اپنی زمین،اپنی جڑوں اور شناخت کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ وہ اسی شناخت کے لیے ماضی کی طرف پلٹ کر دیکھتے ہیں۔ جہاں یادوں کی بجھی راکھ سے دوچار چنگاریاں حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وسطی پنجاب کے شہروں، افراد اور عمارتوں کاذکر کثرت سے ملتاہے۔"مردان" ایک فوجی کیپٹن اس کااہم کردار ہے جو حب الوطنی کااستعارہ ہے۔

ناول میں پاکستان بننے کا عمل،لوٹ کھسوٹ اور قتل وغارت، مہاجرین کی آمد، والٹن کیمپ کے حالات،لوگوں کا جاگیروں پر قبضہ کرنا۔ مشرقی پاکستان کاانتظامی ڈھانچہ ،دوسرے علاقوں کے افسروں کی تعیناتی کو مقامی آبادی کی طرف سے ایک نئے نوآبادیاتی نظام کانفاذ قرار دینا۔انتظامی انتشار، اثاثوں کی تقسیم، جموں وکشمیر کامسئلہ ، قائداعظم کی وفات، مشرقی پنجاب میں مہاجرین پر سکھوں کے حملے اور غارت گری، پانی کا جھگڑا،انڈس واٹر تنازعہ، مکتی باہنی کی کارروائیاں، جنرل نیازی کاہتھیار ڈالنااور سقوط ڈھاکہ کارونماہونا۔ جیسے واقعات کاذکرہے۔

راکھ میں ایک عجیب دکھ اور بے نام اداسی ہے جو کرداروں کو انتہاتک لے جاتی ہے۔ کبھی وہ ماضی میں جھانکتے ہیں اور کبھی حال میں رہ جاتے ہیں۔ نظریاتی طور پر حاصل کیے گئے ملک کو اپنی لغزشوں اور کوتاہیوں کی بناپر ٹکڑوں میں بانٹ دیا۔ناول کی بنت چونکہ پنجاب کی سرزمین میں ہوتی ہے۔اس لیے پنجابی رنگ ناول میں بہت واضح ہے۔ناول نگار بے ساختہ پنجابی کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

رضیہ فصیح احمدکے ناول"صدیوں کی زنجیر(۱۹۸۸ء)" کی سانحہ مشرقی پاکستان ہے۔ناول مینسیاسی اور سماجی شعور کی بھرپور عکاسی ملی ہے۔ پورے خطے سے کردار اکٹھے کیے گئے ہیں۔ سیاسی رہنماؤں، مخالف تحریکوں اور تنظیموں کے بارے میں معلومات ملتی ہیں۔ دونوں ملکوں میں سیاسی وسماجی اور مذہبی حوالے سے

کرداروں کی سوچ واضح کی گئی ہے۔ مشرقی پاکستان میں نفرت انگیز سیاست اور خونی واقعات ناول میں بھرپور انداز میں نظر آتے ہیں۔

عبدالصمد کا دوگززمین(۱۹۸۸ء) میں ان مہاجرین کی کہانی ہے جو بہااور اترپردیش سے ہجرت کرکے مشرقی پاکستان مینآبادہوگئے تھے۔یہ لوگ ڈھاکہ تک تلخیوں اور سختیوں مینالجھے ہوئے تھے اور سقوط کے بعد ان کی مشکلات میں اضافہ ہوگیا۔ یہ ناول ان لاکھوں افراد کی ابتلا اور آزمائشوں کوبیان کرتاہے جوگزشتہ نصف صدی سے ایک خوشگوار مستقبل کی جستجو میں سرگرداں ہیں۔

طارق اسماعیل ساگر(۱۹۵۲ء) نے بیس کے قریب ناول اور دیگر موضوعات پر کتب تحریر کیں۔ "وطن کی مٹی گواہ رہنا" ان کامشہور ناول ہے۔ یہ ایک جاسوس کی سرگزشت ہے جو ان کے ذاتی تجربے اور مشاہدے کی بناپر حقیقت کے قریب تر محسوس ہوتی ہے۔

طارق اسماعیل کے تینوں ناولوں کے قومی کردار اہمیت کے حامل ہیں جنھوں نے مشرقی پاکستان میں نامساعد حالات کے باوجود بہادری کے ایسے کارنامے سرانجام دیے کہ دشمن بھی اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ کمانڈو، لہوکاسفر اور وطن کی مٹی گواہ رہناان کے ناول ہیں۔ کمانڈواور لہوکاسفر میں فوجی جوانوں اور محب وطن بنگالیوں اور البدر اور الشمس جیسی تنظیموں کاذکر ہے جو پاکستان کی سالمیت کی خاطر لڑرہی تھیں۔

"لہوکاسفر" کامرکزی کردار اور ہیروپاک فوج کی کمانڈوبٹالین کاکیپٹن"شیرافگن" ہے جسے بنگالی صورت حالکے پیش نظر جنوری ۱۹۷۱ء میں ڈھا کابھیجاگیا جس کی ملاقات بنگالی لڑکی عظمی سے ہوتی ہے۔اگرچہ ایک جذباتی رومانی ناول ہے تاہم یہ راکے ہتھکنڈوں کو خوبی سے عیاں کرتاہے۔

سلمی اعوان کاناول تنہا ایک لڑکی سمعیہ علی عرف سومی کے جذباتی المیے کوبیان کرتاہے جو مغربی پاکستان سے تعلق رکھتی ہے اور ڈھاکایونیورسٹی میں پڑھتی ہے ۔وہاں اسے طنز ونفرت کے تیروں کاسامنا ہے۔ آخر بھائی اسے واپس مغربی پاکستان لے آتاہے۔ مصنفہ نے تنہامیں ۱۹٤۷ء کے دور میں بنگال کے ماحول اور بنگالیوں کی پاکستان سے توقعات کاذکر کیاہے۔ اردو بنگلہ تنازع ،سرکاری ملازمتوں میں بنگالیوں کی کم شرح اور مغربی پاکستان کے افسران کارویہ جیسے عناصر کو بیان کیاگیاہے۔مختصر یہ کہ تمام الزامات ،نظریات اور جذبات کی عکاسی کی ہے جو بنگالیونکے دل ودماغ میں رچ بس گئے تھے۔ ناول کامرکزی کردار سمعیہ علی ہے ۔سمعیہ اور اجتبی الرحمان دو الگ الگ محاذوں پر اپنی جنگ پورے ناول میں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ دونوں سیاسی تنظیموں سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنی اپنی نسل اور تہذیبوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ناول کے کردارچیخ چیخ کر مغربی پاکستان کے استحصال کوبیان کرتے ہیں۔ناول میں مشرقی پاکستان کی ثقافت کی بھرپورعکاسی ملتی ہے۔

حمیدشاہدکے ناول' مٹی آدم کھاتی ہے' (۱۹۹۵ء) میں مشرقی پاکستان کے بنگلہ دیش بننے کی کہانی بیان کی گئی ہے اور بتایاگیا ہے کہ مٹی اپنی محبت کاثبوت مانگتی ہے اور ثبوت کے طور پر زندہ لاش کی صورت میں آدم وصول کرتی ہے۔ موضوع کی توجیہہ یہ ہے کہ انسان کی تشکیل مٹی سے ہوئی ہے اور انسان دوبارہ مٹی میں ہی جاتاہے اور قربانی کے لیے مٹی یہی آدم مانگتی ہے۔

جدید منظرنامہ: متفرق موضوعات

دور جدید میں مغربی اثرات کے زیر اثر ناول نگاری کے میدان میں قابل قدر اضافے ہوئے۔ موضوع، مواد اور ہیئت کے اعتبار سے نئے نئے تجربات ہوئے اور عصری زندگی کے مسائل وحقائق کی متنوع جہات کی تصویر کشی کی گئی۔ اس باب میں قرۃ العین حیدر، شوکت صدیقی، عبداللہ حسین، ممتاز مفتی، ڈاکٹر احسن فاروقی، جمیلہ ہاشمی، راجندر سنگھ بیدی، انور سجاد، انیس ناگی، بانو قدسیہ، مستنصر حسین تارڑ اور شمس الرحمن فاروقی قابل ذکر ہیں۔

شوکت صدیقی(۱۹۲۳ء۔ ۱۹۵۶ء)

ممتازادیب اور صحافی شوکت صدیقی لکھنومیں پیداہوئے۔ تقسیم ہند کے بعد ۱۹۵۰ء میں لاہور آگئے لیکن بعدازاں کراچی کو اپنامسکن بنالیا۔ ان کاشمار ترقی پسند افسانہ نگاروں میں ہوتاہے۔ خداکی بستی (۱۹۵۸ء) ان کاپہلا ناول ہے جو بہت مقبول ہوا۔ ۱۹۶۰ء میں اس ناول کو آدم جی ادبی ایوارڈ ملا۔ اس ناول کے ۴۲ زبانوں میں تراجم ہوچکے ہیں اور ٹیلی وژن پر اس کی ڈرامائی تشکیل بھی ہوچکی ہے۔ناول کاآغاز آوارہ لڑکوں سے ہوتاہے ۔راجہ اور نوشہ ناول کے دوبنیادی کردار ہیں جو غربت اور عدم تربیت کی بناپر گھر سے بھاگ کر بدمعاش گروہونکے ہتھے چڑھ جاتے ہیناور عادی مجرم بن جاتے ہیں۔ استحصالی اور نوددلیتے طبقے کے نمائندہ کردار نیاز کباڑی ،خان بہادر ،فرزند علی اور ڈاکٹر موٹو ہیں۔

مصنف نے دونوعمر کرداروں (راجہ اور نوشا) کے ذریعے نچلے طبقے کی حکایت زندگی کو موضوع بنایاہے اور بے رحم حقیقت نگاری سے کام لیاہے، غربت اور ہوس زر کی آویزش کو سماجی جرائم اور اخلاق باختہ کرداروں کے ذریعے نمایاں کیاہے۔اس ناول سے مصنف کے مطالعے کی وسعت، مشاہدے اور تجربے کی گہرائی کاپتہ چلتاہے۔ نچلے طبقے کی بدنصیبوں اور نفسیاتی الجھنوں کاایسی خوب صورتی سے تجزیہ کیاہے کہ کردار جیتے جاگتے معلوم ہوتے ہیں۔یہ پہلاناول ہے جس میں تقسیم ہند کے بعد پاکستانی معاشرے کے مسائل کو بڑی جرات سے بیان کیاگیاہے۔ قیام پاکستان کے بعد سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ طبقے نے جمہوریت اور مذہب کی آڑ میں معاشرے کابری طرح استحصال کیا۔یہ ناول سماجی حقیقت کاآئینہ دار اور زبردست سماجی شعور کاعکاس ہے۔ سرمایہ دار طبقہ تمام وسائل پر قابض ہے اور غربت کی چکی میں پسے ہوئے طبقوں کے لیے جسم وجاں کارشتہ برقرار رکھنا مشکل ہے، جس کو قائم رکھنے کے لیے وہ جرائم کاسہارا لیتے ہیں اور استحصالی قوتوں کاآلہ کار بنتے ہیں۔ ایک نودولتیا معاشرہ جہاں لوگ جائز وناجائز طریقوں سے دولت حاصل کرکے راتوں رات خوشحال اور معزز بن جاتے ہیں اور اخلاقیات اور اعلی اقدار مٹ جاتی ہیں۔ خداکی بستی اس زمانے کی تخلیق ہے جب

پاکستان کو معرض وجود میں آئے ایک عشرہ گزرا تھا اور ملک ابھی تک سیاسی، سماجی اور اقتصادی انتشار کی حالت میں تھا۔ مصنف کا اسلوب چست اور لطیف ہے۔ روزمرہ زندگی میں بولی جانے والی زبان استعمال کرتے ہیں۔

خدا کی بستی کا سارا پس منظر کراچی کا ہے۔ اس کے کردار اور کہانی دونوں کراچی کے نچلے اور استحصالی طبقے کے گرد گھومتے ہیں۔ شوکت صدیقی کراچی میں بطور مہاجر آباد تھے۔ انھوں نے اس شہر کے مسائل و معاملات کو ناول کے روپ میں پیش کیا۔ خدا کی بستی کے بعد مصنف نے دو ناول چار دیواری اور جانگلوس تحریر کیے۔ جانگلوس تین جلدوں میں ہے۔

ان کا ناول جانگلوس بھی اسی اسلوب میں ہے۔ جس طرح خدا کی بستی شہری انڈرورلڈ کی کہانی ہے۔اسی طرح جانگلوس(۱۹۸۹ء)دیہی انڈرورلڈ کی کہانی ہے۔اس ناول میں وہ سماج پیش کیاگیاہے جہاں ناصرف قاتل سیاست دان ہیں بلکہ غنڈے ،پولیس اور حکومتی ایوانوں کے کالے چہرے موجودہیں۔ جانگلوس میں پنجاب کی عکاسی کی گئی ہے ۔ ناول کاآغاز یوں ہوتاہے کہ جیل سے مفرور دومجرم لالی اور رحیم پولیس سے چھپتے پھرتے ہیں۔ اس دوران ان کی ملاقات وڈیروں، جاگیرداروں اور سرداروں سے ہوتی ہے جو جرائم کی دنیا کے بڑے لٹیرے اور ڈاکوہیں اور جن کی مقتدر حیثیت نے ان کی اصل شخصیت پر پردہ ڈال رکھاہے۔ اس کے علاوہ دیگر لیٹرے اور ڈاکو بھی ملتے ہیں اور سادہ لوح شہری بھی جن کومعاشرتی اقدار نے بری طرح روندڈالاہے۔معاشرتی اور معاشی عدم توازن معاشرے کے لیے سب سے بڑاروگ ہے۔ ایک مخصوص طبقہ ضرورت سے زائد مال ودولت کامالک بن جاتاہے جب کہ اس کے مقابلے میں ایک بڑی تعداد فاقوں پر مجبور ہے۔ دولت کی فراوانی مال دار طبقے کو نکما بنادیتی ہے اوربھوک اور فاقے سے نڈھال طبقہ اخلاقی عیوب کاشکارہوجاتاہے۔

اس ناول میں بتایا گیاہے کہ کس طرح وڈیرے، سردار اور جاگیردار جرم اور مجرم دونوں کو پروان چڑھاتے اور مجبور و بے بس لوگوں کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہ لوگ دراصل معاشرے کے بڑے مجرم ہیں لیکن ان کی دولت وثروت اور سماجی رتبے نے ان کے چہرے پر نقاب ڈال رکھاہے۔

ممتاز مفتی:

آپ بیتی کی تکنیک میں لکھا گیاناول علی پور کاایلی ۱۹٤۱ء میں منظر عام پر آیا جس میں نفسیاتی وجنسی رجحان ملتاہے۔تاہم ممتاز مفتی، عصمت اور عزیز احمد کے برعکس محتاط رویہ اختیار کرتے ہیں ۔ایلی اور شہزاد کے درمیان جو نفسیاتی اور جنسی واقعات رونماہوئے انھیں علامات اور استعاروں کے ذریعے پیش کیاہے۔ ممتاز مفتی جدیدیت کی تحریک کے زیراثر لکھنے والے ادیب ہیں ان کے اسلوب بیان کی خصوصیات سادگی ،وضاحت اور قطعیت ہیں۔ناول میں انسان کی داخلی زندگی اور تجزیہ نفسی پر زوردیاہے۔ نفسیاتی اور جنسی صورت حال کے اظہار کے لیے وہ اشاروں ،کنایوں میں بات کرتے ہیں۔ عزیزاحمد اور عصمت چغتائی کی طرح برملا اظہارنہینکرتے۔ زبان چست اور آسان ہے۔

انور سجاد (۱۹۳٤ء):

خوشیوں کا باغ اور جنم روپ ان کے افسانوں کی طرح اشاراتی اور علامتی نو عیت کے ناول ہیں ۔خو شیوں کا باغ (۱۹۸۱ء) اُن کا معروف ناول ہے جو سیاسی المیے کی کہا نی ہے ۔ اس ناول میں مصنف نے ملک کی بگڑی ہو ئی سیاسی صورت حال اور تنزل کو بھی طنز کا نشانہ بنایا ۔

انور سجاد فرد کی آزادی پر زور دیتے ہیں ۔اور معاش کو اس جزولازم قرار دیتے ہیں ۔خوشیوں کاباغ وجودی فکر کا عکاس ہے یہ ناول مشہور مصور بو ش کی تصاویر سے متا ثر ہو کر لکھا گیا ۔ بوش پندرھو یں صدی کے وسط میں پیدا ہو ا اور ۱۵۱۰ ء میں وفات پا گیا۔

جمیلہ ہاشمی:

جمیلہ ہاشمی کے ناول تلاش بہاراں(۱۹٦۱ء) اور دشت سوس(۱۹۸۳ء) کو خاصی پذیرائی ملی۔ تلاش بہاراں کو تو آدم جی ایوارڈ سے بھی نوازا گیا ۔ تلاش بہاراں میں آزادی اور اس سے قبل کے زمانے کااحاطہ کیاگیاہے لیکن اس کانقطہ عروج ۱۹٤۷ء کے فسادات ہیں ان کااسلوب مرصع اور شاطرانہ ہے۔ تلاش بہاراں کو۱۹۷۱ء میں آدم جی ادبی ایوارڈکی بناپر خاصی شہرت حاصل ہوئی لیکن نقاداسے فنی اعتبار سے کمزور ناول تصور کرتے ہیں۔کنول ٹھاکر اس ناول کامرکزی کرداربے جس پر مصنفہ نے پوری توجہ صرف کی ہے۔ لیکن مبالغہ آمیز عکاسی کی بناپر یہ کردار مافوق الفطرت محسوس ہونے لگا اور زندہ کردار ثابت نہ ہوسکا۔کنول ٹھاکر ایک کالج قائم کرتی ہے اور نئی نسل کی تربیت کاانتظام کرتی ہے۔

دشت سوس(۱۹۸۳ء) کا مرکزی کردار حسین بن منصور حلاج ہے۔وہ ۸۵۸ء ایران کے شہرطوس میں پیداہوا۔ انالحق کانعرہ لگایا جس پر عباسی خلیفہ معتمد کے زمانے میں نوسال قیدرکھاگیا اور پھر اس پر زندیق اور مشرک کافتوی لگاکر دریاے دجلہ کے کنارے پل کے ساتھ ۱۹۲۲ء میں اسے مصلوب کر دیاگیا۔

یہ ناول نہ صرف حسین بن منصور حلاج کی طلسماتی شخصیت کا مطالعہ ہے بلکہ اس دور کی مذہبی، معاشرتی اور سیاسی زندگی کی تصویر بھی ہے۔

حسن بن منصور کے روحانی سفر کی داستان کو مصنفہ نے تین حصوں میں تقسیم کیاہے۔ صدائے ساز، نغمہ شوق اور زمزمہ موت ۔پہلے دو حصوں میں روحانی ارتقا کی داستان اور تیسرے حصے میں سزائے موت کا بیان ہے۔اس کردار کو ابھارنے میں ناول نگار نے خوب محنت کی ہے۔ منصور کی داخلی کیفیات، جذباتی واردات اور اندرونی ہیجان کو بیرونی منظر نامے کے ساتھ یوں ہم آہنگ کر دیا کہ داخل اور خارج دونوں ایک تال پر دھڑکتے محسوس ہوتے ہیں اور قاری جذباتی فضا میں مغلوب ہو کر رہ جاتا ہے اور حسین بن منصور کا کردار قاری کے اعصاب پر سوار ہو جاتا ہے کہ اختتام پر وہ حسین بن منصور کی تمام اذیتوں (مثلاً موت، جلائے جانے اور راکھ دریا میں بہائے جانے تک کے عمل میں شریک ہو جاتا ہے اور اس ناول کا مطالعہ اس کے داخلی تجربات کی بازگشت بن جاتا ہے۔

اس کے علاوہ جمیلہ ہاشمی نے روہی اور چہرہ بہ چہرہ روبرو دو ناولٹ لکھے۔ روہی کا مرکزی کردار مریم ہے جو صوبہ سرحد کے ایک گاؤں کے معزز شخص نور خاں کی بیٹی ہے۔ چہرہ بہ چہرہ، روبرو کا موضوع قرۃ العین طاہرہ کی زندگی ہے۔

جیلانی بانو:

جیلانی بانو کا ناول ایوان غزل (۱۹۷٦ء) میں آزادی سے قبل ہندوستان میں موجود جا گیرداری نظام کو موضوع بنایا گیا ہے ۔ مصنفہ نے اس ناول میں حیدر آباد کے جا گیرداری نظام کے زوال کی داستان بیان کی ہے ۔ جس میں گر تی اخلاقی قدروں اور استحصالی رویے کو موضوع بنا یا گیا ہے ۔ غزل ناول کا مرکزی کردار ہے ، جس کی زندگی کی کہا نی جز ئیات کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ دوسرا اہم کردار چاند ہے ۔ایوان غزل میں حیدر آباد کی زبان اور وہاں کی رچی بسی تہذ یب کا اظہار ملتا ہے ۔

بارشِ سنگ (۱۹۸۵ء) میں حیدرآباد اور اس کے نواح کے دیہاتوں میں جا گیرداروں اور ساہو کاروں کے ظلم و جبر کے خلاف عوام کے غم و غصہ اور اضطراب کو موضوع بنایا ہے جو تلنگانہ تحریک کے جنم لینے کا باعث بنا ۔

حجاب امتیاز علی:

حجاب امتیاز علی کا ناول پاگل خانہ (۱۹۸۰ء)میں شائع ہوا۔ اس سے پہلے ان کے دو ناول ظالم محبت اور اندھیر ا خواب شائع ہو چکے تھے ناول کا مرکزی خیال اٹیمی تابکاری اور اس کے مضر اثرات پر مبنی ہے۔ مصنفہ کی خواہش ہے کہ زندگی خوبصورت چہرے کو بدنمائی اور ہلاکت سے بچایا جائے۔

"پاگل خانہ "میں المالی کتابوں سے اقتباسات نقل کر کے موقف کو مضبوط بنانے کی کوشش کی گی ہے۔ناول ایٹمی جنگ کی ممکنہ تباہ کاریوں پر اچھا انتباہ ہیکیونکہ دنیا آج اٹیمی جنگ کی تباہ کاریوں سے پہلے کی نسبت زیادہ لرزہ براندام ہے۔

نثار عزیز بٹ:

نثار عزیزنے انگریزی اور روسی ادب کا وسیع مطالعہ کیا ان کے پہلے ناول نگر ی نگری پھرا مسافر (۱۹۵٦ء)میں تعلیم یافتہ لڑکیوں کے نفسیاتی الجھنوں کی موثر انداز میں عکاسی کی گی ہے۔دوسرا ناول "نے چراغ نے گلے"(۱۹۷۳ء)میں صوبہ سرحد کی علاقائی معاشرت اور تہذیب و تاریخ کی اچھی عکاسی ملتی ہے۔تیسرا ناول کاروان وجود (۱۹۸۱ء)پاکستان بننے کے بعد کی صورت حال کی عکاسی فلسفیانہ اندازمیں ملتی ہے۔اس ناول کا بنیادی کردار سائرہ ہے، جس کے ذریعے ناول نگار نے اس نسل کی عکاسی کی ہے۔ جو آدرش رکھتے ہیں اور جب امیدیں پوری نہیں ہوتی تو ذہنی کرب میں مبتلاہو جاتے ہیں ہجرت ،فسادات اور سقوط ڈھاکہ کے سانحات ان کو ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔مصنفہ کا ایک اور ناول دریا کیسنگ ہے۔

بانو قدسیہ (۱۹۲۸) :

مشہور افسانہ نگار ، ڈرامہ نگار اور ناول نگار بانو قدسیہ کا اصل نام قدسیہ بانو تھا ۔ انھوں نے بہت سے ناول لکھے ۔ انھوں نے دو ناول راجہ گدھ (۱۹۸۱ء) اور حاصل گھاٹ (۲۰۰۳ء) اور چار ناولٹ موم کی گلیاں ، ایک دن ، شہر بے مثال اور پر وا لکھے ۔ ان کے دو ناولوں راجہ گدھ اور حاصل گھاٹ کو مقبو لیت حاصل ہو ئی ان کا مشہور تر ین ناول راجہ گدھ ہے ۔ بانو قدسیہ کا ناول راجہ گدھ (۱۹۸۱ء) کا موضوع رزق حرام و حلال ہے ۔مصنفہ کا نقطہ نظر ہے کہ انفرادی اور اجتما عی سطح پر معاشرہ اخلاقی اور روحانی زوال سے اس لیے دو چار ہے کہ رزق حرام کو فروغ مل رہا ہے۔ مصنفہ کا خیال ہے کہ اگر ہم رزق حلال کے عادی ہو جا ئیں تو ہماری سماجی زندگی کی ساری خرابیاں دور ہو سکتی ہیں کیونکہ تمام پر یشانیوں ، مسائل اور جرا ئم کا سبب رزق حرام ہے ۔ناول کا ایک حصہ قیوم، سیمی ، آفتاب اور پر وفیسر سہیل جیسے کرداروں پر مشتمل ہے

جبکہ دوسرے حصے میں پوٹھوہار کی سرزمین پر دنیا بھر کے چرند پرند اکٹھے ہو کر گدھوں پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ مردار کھانے سے دیوانگی کے قریب پہنچ گئے ہیں،اس لیے انھیں جنگل سے نکال دیا جائے تاکہ ان کا منحوس اثر دوسروں پر نہ پڑے۔راجہ گدھ میں ایک ہی کہانی کو انسان اور جانور کے نقطہ نگاہ سے فنکارانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

مصنفہ نے اس ناول میں مرکزی کردار قیوم کو راجہ گدھ کی شکل میں پیش کیا ہے جو کسبِ حرام کی علامت ہے۔قیوم ساری زندگی حرام خوری اور ناجائز جنسی تعلقات کا مرتکب رہتا ہے۔وہ اندر سے کھوکھلا، کمزور شخصیت کا مالک ہے اور احساس کمتری کا شکار ہے، جس کی بنا پر کہیں ایڈجسٹ نہیں کر پاتا۔احساس کمتری پر قابو پانے کے لیے یکے بعد دیگرے مختلف عورتوں کا سہارا لیتا ہے مگر کوئی بھی دائمی نہ بن سکا۔

بانو قدسیہ کا ناول حاصل گھاٹ ۲۰۰۳ ء میں منظر عام پر آیا ۔ اس کا موضو ع دو تہذیبونکا تصادم اور اس کی وجہ سے انسانی زندگی میں پیدا ہو نے والی کشمکش ہے۔ ایک بوڑھا شخص ہمایوں فرید اس کا مرکزی کردار ہے ۔ آزادی کے بعد اپنے والدین اور بہن بھائیوں کے ساتھ سانده کلاں (لاہور) میں رہا ئش پذیر ہوا ۔ اس کا بیٹا جہا نگیر اور بیٹی ارجمند شادی کے بعد امر یکہ منتقل ہو گئے ۔ہمایوں فرید اپنی بیٹی اور داماد کے ہمراہ امر یکہ میں رہ رہا ہے ۔ جہاں اسے لاہور کے مزیدار کھانے اور آسا ئشو ں بھری زندگی نہیں ملتی ۔ ہر شخص بھاگ دوڑ میں ہے اور ترقی کرنا چاہتا ہے ۔ یہ لو گ ا مریکہ کی مشینی زندگی میں رو بو ٹ بن جا تے ہیں ، جن کے پاس اپنے بوڑھے باپ کے لیے وقت نہیں۔ یہ ناول مغر بی تہذیب میں انسان کی تنہا ئی ، اوربڑھا پے کا نفسیا تی مطالعہ ہے۔

مصنفہ نے امریکی زندگی کے بیان کے ساتھ بین الاقوامی شعور کا بھی ثبوت دیا ہے اور امریکہ کا مختلف بالخصوص مسلم ممالک عراق، سعودی عرب، پاکستان، افغانستان، سوڈان اور الجزائر میں مداخلت اور ریشہ دوانیوں کو بیان کیا ہے۔

رضیہ فصیح احمد (۱۹۲۶ء):

رضیہ فصیح احمد مراد آباد میں پیدا ہو ئیں ۔ ۱۹۴۷ ء میں پاکستان آ ئیں ۔ ۱۹۵۴ء میں پشاور یو نیو رسٹی سے بی ۔اے کیا۔ ان کے ناولوں میں " آبلہ پا" کو شہر ت حاصل ہو ئی ۔ اور اسے ۱۹۶۷ء میں آدم جی ایوارڈ سے نواز ا کیا۔ آبلہ پا بنیادی طور پر ایک معاشرتی ناول ہے ۔ ناول کا مرکز کردار صبا نامی لڑکی ہے ۔ جس کے ذریعے کہانی کی گئی ہے اور انسانی زندگی کے مختلف رویوں کو زیر بحث لا یا گیا ہے ۔

یہ ایک رومانی ناول ہے۔ جس میں میاں بیوی کے کردار کی ازدواجی اور نفسیاتی الجھنیں بیان کی گئی ہیں۔ ان کا ناول صدیوں کی زنجیر، تاریخی، سیاسی اور سماجی حوالے سے اہم ہے، جو سانحہ مشرقی پاکستان کے تناظر میں لکھا گیا ہے۔

ناول کے مرکزی کردار اسد اور صبا ہیں چمنستان ہوٹل سے کہانی کا آغاز ہوتا ہے۔ یہاں صبا اپنے والد کے ساتھ قیام پذیر ہے۔ صبا اور اسد کی شادی ہو جاتی ہے لیکن اسد کی پراسرار حقیقت کھل جانے کے بعد طلاق ہو جاتی ہے۔

اس ناول کا ایک اور منظر بھی قابل توجہ ہے جو چمنستان ہوٹل کی پشت پر واقع کوارٹررں میں ملتا ہے۔ ان کوارٹروں کے باسیوں کی اولادوں میں گورے چٹے، گول مٹول اور تندرست بچے بھی نظر آتے ہیں اور سیاہ فام، کالے کلوٹے اور کمزور جسم والے بھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ملکی فارغ البال کھاتے پیتے افراد اور غیر ملکی سیاحوں کی اولاد ہیں جو چند ٹکوں کے عوض ان تنگ دست عورتوں کو جنسی ہوس کا نشانا بناتے ہیں۔، مجموعی طور پر یہ ایک دلچسپ ناول ہے مگر اس میں کسی ارفع فلسفہ حیات کی تلاش بے سود ہے۔

صدیق سالک:

مصنف کا ناول پریشیر ککر (۱۹۸۳ء) ایک فنکار فطرت کی کہانی ہے یہ ناول کا مرکزی کردار ہے۔فطرت فائن آرٹس کا طالب علم ہے اور امریکہ سے آرٹس کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد پاکستان آتا ہیلیکن کھبی اسے اشتراکی کہا جاتا ہے تو کبھی بیرونی قوتوں کا ایجنٹ۔وہ اس ذلت و رسوائی اور ذہنی شکست خودرگی کے باعث موت کو گلے لگا لیتا ہے۔ ناول نگار نے پورے سماج کی حسی اور دوغلے پن کو بیان کیا ہے۔ ناول میں دکھایا گیا ہے کہ موجودہ نظام میں رشوت ،سفارش، چوربازاری اور بدعنوانی کا بازار گرم ہے سارا تانا بانا اونچے طبقے کے مفادات کے لیے بنا جارہا ہے۔جب ایک مائی چودھری سکندر کے خلاف زیوراور رقم ہتھیانے کا دعوای کرتی ہے تو وہ خدا اور قرآن کو گواہ بناتی ہے۔اسے بتایا جاتا ہے کہ یہاں قرآن کی گواہی اور قسمیں نہیں چلتیں بلکہ یہاں پیسہ اور اثرورسوخ چلتا ہے۔

انیس ناگی:

انیس ناگی کا پہلا ناول دیوار کے پیچھے (۱۹۸۰ء) ایک پروفیسر کی کہانی ہے۔ جس کے مزاج میں حق گوئی اور بے باکی ہے۔یہ سچائی اور حقیقت پسندی اس کی زندگی کو مشکل بنا دیتی ہیاور و ہ جبر کا شکار ہو کر اسٹیبلشمنٹ کے ہاتھوں فنا ہو جاتا ہے۔ قدم قدم پر اسے سماج کی طر ف سے طعنے سننے پڑتے ہیں مثلا وہ بہن کی مرگی

کی بیماری سے متعلق بہنوئی کو بتا دیتا ہے تاکہ بعد میں حالات خراب نہ ہوں۔اس پر رشتہ ختم ہو جاتا ہے اور گھر والے ا س کے خلاف ہو جاتے ہیں۔بہت زیادہ حقیقت پسندی اسے سماج سے دور لے جاتی ہے ناول پر وجودی نظریے کی گہری چھاپ ہے۔ یہ ناول ۱۹۷۱ء کے بعد کی سیاسی صورت حال کے تناظرمیں سمجھا جا سکتا ہے۔مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر سچ کی جگہ جھوٹ ،حقیقت پسندی کی جگہ مصالحت پسندی اور منافقت لے لے تو معاشرہ انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔

دوسرے ناول' محاصرہ' (۱۹۹۲ء)کا مرکزی کردار سلیم کی کہانی ہے،جس کا بنیادی موضوع ہجرت کا دکھ ہے۔ کیمپ(۱۹۹۸ء)ملکی سیاست اور افغان مہاجرین کے پس منظر میں لکھا۔چونکہ مصنف خود کمشنر افغان مہاجرین رہ چکے تھے۔ اس لیے انھوں نے کیمپ کے مسائل کو خوبی سے بیان کیا۔ناول کا مرکزی کردار کیمپ انچارج میجر قربان ہے۔ افغان مہاجرین کے مسئلے پر اردو ادب میں یہ سب سے بہتر ناول تصور کیا جاتا ہے۔

مستنصر حسین تارڑ:

مستنصر حسین تارڑ اپنے ناول بہاؤ(۱۹۹۳ء)میں سندھو گھاگراکے کنارے ہزاروں سال پرانی ایک بستی کی سیر کراتے ہیں جو آہستہ آہستہ دم توڑ رہی تھی ناول کے دو مرکزی کردار ہیں۔پورن جو موہنجودڑو کے ترقی یافتہ معاشرے سے تعلق رکھتا ہے اور ورچن جو معدوم ہوتی بستی کی کمتر قوم کا ایک فرد ہے، جو کاہل اور سست ہے۔یہ ناول ہزاروں سال پہلے گھاگرا کے کنارے آباد بستی کے اجڑنے کی داستان ہے یہ بستی ان تمام بستیوں کی علامت ہے جو سندھو اور گھاگرا کے کنارے آباد تھیں۔بہاؤ ایک متھ ہے تاریخ نہیں۔ان کا ناول "راکھ" موضوع کے اعتبار سے بہاؤ کی توسیع ہے۔ قیام پاکستان سے قبل کہانی کا آغاز ہوتا ہے اور تقسیم ہند سے ہوتے ہوئے ہم لمحہ موجود تک پہنچتے ہیں۔

قلعہ جنگی (۲۰۰۲ء) کا پس منظر افغانستان اور افغان جنگ ہے۔خس و خاشاک زمانے (۲۰۱۰ء)میں تین نسلیں دکھائی گئی ہیں ۱۹۲۹ء کے قریب زمانے کا سماج ہندو مسلم مشترکہ سماج ، تقسیم بر صغیر اور فسادات ،قیام پاکستان کے بعد جبر و تشدد ،سرمایہ داروں کا استحصالی کردار اور مارشل لاکی جبریت کی موثر عکاسی کی گئی ہے۔ ساتھ ساتھ بین الاقوامی حالات کی کرداروں کی زبانی عکاسی کی گئی ہے۔ناول نگار کا مطالعہ اور معلومات قابل داد ہیں۔

شمس الرحمن فاروقی:

مشہور نقاد شمس الرحمن فاروقی کا ناول کئی چاند تھے سرآسماں(۲۰۰۶ء) انیسویں صدی کے ہند مسلم کلچر کا زبردست

مرقع ہے جسے موثر اسلوب میں تحریر کیا گیا۔ناول اٹھارھویں صدی کے راجپوتانے سے شروع ہوکر دہلی کے لال قلعے پر ختم ہوتا ہے جو قریبا ایک صدی سے کچھ زیادہ عرصہ ۱۹۵٦ ء تک محیط ہے۔مرکزی کردار معروف شاعر دہلوی کی والدہ وزیر بیگم ہے جو ایک حسین اور جاذب نظر کشمیری خاتون تھی۔قسمت کی ستم ظریفی دیکھیے کہ وزیر بیگم کی پہلی شادی کمپنی بہادر کے یزی ڈینٹ اور اعزازی پولیٹیکل ایجنٹ ایک انگریز مارسٹن بلیک سے ہوئی۔دو بچے امیر میر مرزا (مارٹن بلیک)اور بادشاہ بیگم (صوفیہ مارٹن)ہوئے۔مارسٹن بلیک دلی میں ایک بلوے میں مارے گئے۔اس کے بعد نواب شمس الدین آف جھروکہ اور لوہارو سے شادی ہوئی جن سے مرزا داغ پیدا ہوئے۔بعدازاں رام پور کے آغا تراب مرزا سے نکاح ہوا، جن سے شاہ محمد آغا پیدا ہوئے ۔اس کے بعد مرزا فخرو سے نکاح ہوالیکن یہاں بھی قسمت نے نے یاوری نہ کی اور وہ اچانک فوت ہو گئے۔شمس الرحمن فاروقی نے اس کردار کے ذریعے اٹھا رویں اور انیسویں صدی کے نو آبادیاتی نظام سے متعلق ایسی حقیقتوں کا انکشاف کیا ہے جو عموما نگاہوں سے اوجھل تھیں۔

سید شبیر حسین:

سید شبیر حسین کا ناول جھوک سیال(۱۹۷۲ء)مغربی پنجاب کے ایک ایسے گاؤں کی کہانی ہے جہاں عوام جاگیردارانہ نظام کے تلے سسک رہے ہیں۔ جہاں مذہب کے نام پر غریبوں کا استحصال جاری ہے۔عوام کی حثیت بھڑ بکریوں سے زیادہ نہیں۔

ناول کا آغاز غیر منقسم پنجاب میں مسلم لیگ اور یونینسٹ پارٹی کے درمیان زبردست ہنگامہ آرائی سے ہوتا ہے۔ناول کے دو اہم کردار پیر عدالت حسین اور قریشی انور ہیں جو جھوک سیال کی زمین کے مالک اور زمیندار۔ قیام پاکستان کے بعد دیہی زندگی پر شائع ہونے والا یہ اردو کا سب سے بڑا ناول ہے۔چونکہ سید شبیر حسین تحصیل دار رہے اور خود زمیندار کی حثیت سے انھوں نے دیہی زندگی کا بہت قریب سے مشاہدہ کیا۔دیہی زندگی کی جزئیات کو خوبی سے بیان کہا ہے۔مصنف نے ایسی خوبصورت منظر کشی کی ہے کہ گاؤں کی روزمرہ زندگی آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔اس ناول کو ٹیلی ویژن پر بھی ڈارامائی شکل میں پیش کیا جاچکا ہے۔

الیاس احمد گدی کافائر ایریا (۱۹۹۸ء)محنت کش طبقے کی نمائندگی کرتا ہے۔اس کا موضع کوئلے کی کان میں مالکان کی جانب سے مزدوروں کے استحصال کی دلخراش داستان ہے۔اور ان کرداروں کے چہرے سے نقاب کشائی ہے جو انسانوں کو جانوروں کی سطح پر رکھنے کے ذمہ دار ہیں۔

رحیم گل:

رحیم گل کا تعلق شکردرہ ضلع کوہاٹ سے تھا۔جنت کی تلاش (۱۹۸۱ء) ان کا وہ ناول ہے جس نے انھیں شہرت دی مصنف نے جنت کی تلاش میں سفر نامے کی تکنیک استعمال کی ہے۔ یہ ایک سیاحتی ناول ہے جس میں مختلف تفریحی مقامات کی سیر کا حال ہے اور

پاکستان کے مختلف علاقوں اور مناظر کی بھر پور عکاسی ملتی ہے۔ اس ناول کو لکھنے کے لیے مصنف نے پورے پاکستان کی سیاحت کی۔

جنت کی تلاش ایک بے چین روح کی کہانی ہے۔اس ناول کا مرکزی کردار ذہنی اور فکری الجھاؤ کا شکار ایک لڑکی "امتل" ہے اس کے ساتھ وسیم اور عاطف دو اہم کردار ہیں۔ناول کے اختتام پر "امتل" کے خیالات اور نظریات میں مثبت تبدیلی آجاتی ہے۔

آغا گل:

آغا گل کا ناول "دشت وفا" بلوچستان کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ ناول کا ہیرو نجیب اور ہیرو ئن رخسانہ ہے۔ یہ ناول نجیب اور رخسانہ کی محبت کی داستان بھی ہے اور بلوچستان کے سیاسی اور سماجی حالات کی عکاسی بھی۔ناول نگار بلوچستان کی پسماندگی کی وجہ وڈیروں کے قبضے کو قرار دیتا ہے، جن کے خاندان کے افراد ایک ہی وقت میں مختلف سیاسی پارٹیوں میں شامل ہیں ۔یہ وڈیرے تجربہ کار افسروں کو نہ ٹکنے دیتے ہیں اور نہ ہی تعلیمی ادارے بننے دیتے ہیں۔یہ ناول ۱۹۷۱ء سے بعد کے حالات کے حالات کا تذکرہ ہیناول نگار نے معاشی ناہمواری کے باعث طبقاتی تقسیم کو مہارت سے قلم بند کیا ہے۔

حال میں بھی متنوع موضوعات پر معیاری ناول سامنے آرہے ہیں، جن میں شمس الرحمن فاروقی کا قبضِ زماں، مرزا حامد بیگ کا ا نار کلی، سید محمد اشرف کا آخری سواریاں، طاہرہ اقبال کا نیلی بار، اختر رضا سلیمی کا جندر، عاصم بٹ کا دائرہ، عاطف علیم کا گرد باد، خالد جاوید کا نعمت خانہ، علی اکبر ناطق کا نولکھی کوٹھی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اسلامی تاریخی ناول:

اردو میں اسلامی تاریخی ناول نگار کی بھی ایک روایت ہے جس کا آغاز مولانا عبدالحلیم شرر سے سے ہوتا ہے۔ایم اسلم، رشید اختر ندوی ،رئیس احمد جعفری اور نسیم حجازی نے اس سلسلے کو دوبارہ شروع کیا اور اس میں قابل قدر اضافے کیے۔اس قسم کے ناولوں میں تاریخ اسلام کو موضوع بنایا گیا۔اور مسلمانوں کی منفرد تہذیبی شناخت کو ابھارنے کی کوشش کی گئی۔ان ناولوں میں نسیم حجازی کے ناول محمد بن قاسم، یوسف بن تاشفین، آخری چٹان، اور تلوار ٹوٹ گئی اور ایم اسلم کے معرکہ بدر اور فاتح مکہ، فتنہ تاتار، فاتح قسطنطنیہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

جاسوسی ناول:

قیام پاکستان کے بعد پچاس کی دہائی کے اس پاس ناولوں کی ایک اور قسم متعارف ہوئی جو فورا مقبول ہو گئی۔ابتدا میں ظفر عمر نے جاسوسی ناول لکھے۔ان کا پہلا ناول نیلی چھتری کے نام سے سامنے آیا۔اس کے بعد بہرام کی گرفتاری بھی مشہور ہوا۔الہ آباد کے اسرار احمد نے ابن صفی کے نام جاسوسی ناول نگاری کو نئی چاشنی عطا کی۔انھوں نے جاسوسی دینا کے نام سے ایک سلسلہ شروع کیا۔ان کا پہلا ناول "دلیر مجرم" تھا جو ایک انگریزی ناول سے ماخوذ تھا۔انھوں نے اڑھائی سو کے قریب جاسوسی ناول لکھے۔ان کے ایک ہم عصر اکرم الہ آبادی نے جاسوسی پنجہ کے نام جاسوسی ناول سیریز کا آغاز کیا۔ابن صفی کی تقلید میں عمران سیریز کے ناول لکھنے والوں میں ناول نگاروں کی ایک

بڑی تعداد نظر آتی ہے جن میں مظہر کلیم ایم اے، صفدر شاہین، نغمہ صفی، نجمہ صفی، ایچ اقبال (ہمایوں اقبال)انوار صدیقی اور ایم ایس قریشی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

اردو ناولوں کی ایک اور قسم رومانی ناول ہیں جو عموماً خواتین ناول نگاروں کی تصنیف ہیں۔ انھیں معیاری ناول نہیں کہا جا سکتا۔ یہ اپنے مخصوص دور میں مقبول ہوتے ہیں لیکن ان کی عمر کم ہوتی ہے۔ اے آر خاتون، رضیہ بٹ، سلمیٰ کنول، بلقیس ظفر اور دیبا خانم وغیرہ نے بہت کچھ لکھا۔ حال میں حمیرا احمد اور اس قبیل کی دیگر ناول نگار خواتین اس قافلے میں شامل ہیں۔

کتابیات

۱۔ وقارعظیم ،داستان سے افسانے تک(کراچی: اردواکیڈمی سندھ،۱۹۹۰ ء)
۲۔ سہیل بخاری ، ڈاکٹر ،ناول نگاری (لاہور: میری لائبریری ،۱۹٦٦ء)
۳۔ ناول کی تاریخ و تنقید: علی عباس حسینی(لاہور: میری لائبریری،س ن)
٤۔ احسن فاروقی،ڈاکٹر،اردو ناول کی تنقیدی تاریخ(لاہور: سندھ ساگر اکیڈمی،س ن)
۵۔ ممتاز احمد خان ، ڈاکٹر ،آزادی کے بعد اردو ناول ،ہیئت ،سالمیت اور رجحانات (کراچی:انجمن ترقی اردو پاکستان،۱۹۹۷ء)
٦۔ ممتاز احمد خان ،ڈاکٹر،اردو ناول کے بدلتے تناظر(کراچی:ویلکم بک پورٹ (پرائیویٹ)لمٹیڈ،مین اردو بازار، ۱۹۹۳ء)
۷۔ محمداشرف کمال،ڈ اکٹر ،اردو ناول ۔تاریخ وارتقا(آغاز سے اکیسویں صدی تک)(کراچی:رنگ ادب پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء)